U/S 5602
Malik A
c/
G
M

تاریخ الاعوان

پاکستان کی مشہور جسور و غیور قوم اعوان کی مستند

اور

جامع تاریخ

از

ملک شیر محمد خان اعوان
پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی کالاباغ

1956ء

ناشر

اشاعت منزل - بل روڈ - لاہور

ملک امیرمحمدخان نواب آف کالاباغ (میانوالی):

نواب آف کالاباغ ملک امیرمحمدخان اعوان سابق گورنرمغربی پاکستان وچیف آف اعوانان پاکستان گزرے ہیں آپ کے چارفرزند ملک اسدخان، ملک مظفرخان، ملک اللہ یارخان وملک اعظم خان ہوئے۔ملک اسدخان کے دو بیٹے ملک فوادخان وملک عمادخان MNA قابل ذکر ہیں۔کالاباغ ضلع میانوالی کی تحصیل عیسیٰ خیل کا علاقہ ہے۔سرزمین کالاباغ اعوان قبیلے کا مرکز ہے جوباغات کی کثرت کی وجہ سے کالانظر آتا ہے۔آپ کی شاخ ملک صادق خان (صدیق) کے نام کی وجہ سے صدقال کہلاتی ہے۔ملک بندے علی نے کالاباغ آبادکیا۔آپ کا شجرہ نسب یوں ہے:۔نواب ملک امیرمحمدخان بن ملک عطامحمدخان بن ملک یارمحمدخان بن ملک مظفرخان بن ملک اللہ یارخان بن ملک اعظم خان بن ملک سرخروخان بن ملک عزت خان بن ملک اللہ یارخان بن ملک فتح خان بن ملک اللہ دادخان بن ملک نواب خان بن ملک محمدخان بن ملک اللہ یارخان بن ملک بدرالدین خان بن ملک شہاب الدین خان بن ملک شہیاں خان بن ملک حیدرخان بن ملک موکل خان بن ملک سرخروخان بن ملک بلندخان بن ملک بندے علی (بانی کالاباغ) بن ملک اولیا (طور) بن کرم علی (خلیل رکلی) بن مزمل علی کلگان بن قطب حیدرشاہ غازی علوی ازاولاد حضرت محمد الاکبر المعروف محمد حنفیہؒ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

ملک شیرمحمدخان اعوان آف کالاباغ مولف تاریخ الاعوان وتذکرۃ الاعوان:

آپ کا تعلق نواب آف کالاباغ کی فیملی سے تھا۔ملک امیرمحمدخان نواب آف کالاباغ آپ کے بہنوئی تھے۔ملک اللہ یارخان بن بن ملک اعظم خان،نواب ملک امیرمحمدخان اور ملک شیرمحمدخان کے جداعلیٰ تھے ملک اللہ یارخان کی چوتھی پشت میں ملک شیرمحمدخان بن ملک پیرمحمدخان بن ملک امیرمحمدخان بن ملک رتباز (ربناز) خان تھے۔آپ نیک سیرت،اعلیٰ تعلیم یافتہ وخدمت خلق کے جذبہ سے سرشار تھے آپ پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی کالاباغ تھے۔جب مولوی نورالدین کفری نے باب الاعوان اور زادالاعوان لکھیں تو آپ نے اپنے قدیم خاندانی شجرہ نسب جوسینہ بہ سینہ صدیوں سے محمد الاکبر المعروف محمد حنفیہؒ بن حضرت علیؓ سے تھے کے مطابق تاریخ الاعوان 1956 میں مرتب کرتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ اعوان حضرت عباس علمدارؒ کی اولاد سے نہیں ہیں۔تاریخ الاعوان وتذکرۃ الاعوان اہم ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں آپ اعوان قبیلہ کے چشم وچراغ تھے آپ کا انتقال 1986 میں ہوا۔(بحوالہ تاریخ علوی اعوان ایڈیشن 2009 ص 631،تحقیق الانساب جلداوّل ص 100 جلد دوئم ص 198 مختصر تاریخ علوی اعوان معہ ڈائریکٹری ص 162،تاریخ نیازی قبائل (طبع ہفتم صفحہ 1176)

valpindi.

جملہ حقوق بحقِ ناشران محفوظ ہیں

ناشران :- ملک دین محمد اینڈ سنز اشاعت منزل بل روڈ لاہور

طابع و ناشر ملک محمد عارف

مطبوعہ :- دین محمدی پریس لاہور

تعداد طبع :- ۱۰۰۰

قیمت :- ایک روپیہ آٹھ آنے

فہرست مضامین

ماخذ

مؤلف نے اس تاریخ کی ترتیب وتبویب میں جن کتب ورسائل سے استفادہ کیا ہے اُن کے نام درج ذیل ہیں :-

۱۔ تاریخ فرشتہ از محمد قاسم فرشتہ ۔ از محمد فتح دین صاحب بمبی ۔ طبری ۔ البدایۃ والنہایۃ ۔ ابن اثیر
۲۔ تاریخ ہندوستان از شمس العلماء ذکاء اللہ ۔ البدایۃ والنہایۃ ۔ ابن اثیر
۳۔ کتاب الہند از البیرونی ترجمہ اردو مطبوعہ انجمن ترقی اردو۔
۴۔ آئینہ مسعودی ترجمہ مراۃ مسعودی مترجمہ خواجہ اکبر وارثی میرٹھی ۔
۵۔ تاریخ علوی از مولوی حیدر علی اعوان لدھیانوی ۔
۶۔ تاریخ حیدری از " " "
۷۔ انوار الاعوان از مولوی نور عالم بشیر ۔
۸۔ مناقب سلطانی از میاں سلطان حامد قادری سروری ۔
۹۔ تاریخ باب الاعوان از مولوی نور الدین ۔
۱۰۔ تاریخ زاد الاعوان از " " ۔
۱۱۔ تذکرہ رؤسائے پنجاب مترجمہ سید نوازش علی ۔
۱۲۔ لائف اینڈ ورک آف موہن لال کشمیری (انگریزی) از مسٹر ہری رام گپتا ۔
۱۳۔ مغربی پاکستان کے اکثر اضلاع کے گزیٹر ۔
۱۴۔ رپورٹ مردم شماری پنجاب بابت سنہ ۱۸۸۱ء ۔
۱۵۔ جغرافیہ ضلع شاہ پور از مسٹر جیا رام ۔
۱۶۔ رسالہ "اعوان" پنڈی بہاؤ الدین کی مکمل فائل ۔
۱۷۔ رسالہ "الاعوان" لاہور کی مکمل فائل ۔
۱۸۔ قلمی تاریخی دستاویزات ۔

مکرمی جناب محمد کریم خان اعوان!
کی خدمت میں اپنی علمی کاوشوں
کی نذر!
احقر
ملک عبدالحفیظ اعوان
24/5/2009

اعوان نوجوان کے نام !

سبق پڑھ پھر صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

(اقبالؒ)

ڈاکٹر صاحبزادہ علوی
ملک عبدالحفیظ اعوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

آج کل علمی، ادبی، مذہبی اور سیاسی مجالس و محافل میں یہ مسئلہ عموماً موضوع بحث بنا رہتا ہے کہ اسلام میں قومیت کی تعمیر کن بنیادوں پر ہوتی ہے۔ یعنی کیا اسلام، نسل اور خاندان کی بنا پر قومیت کو تسلیم کرتا ہے یا ان بنیادوں پر جو قومیت قائم ہو اس کا مخالف ہے؟

بعض ناقدین کا خیال ہے کہ "اسلام صرف مذہبی رشتے کو تسلیم کرتا ہے اور مذہب کے سوا کسی دوسرے رشتے کو نہیں مانتا" لیکن جب ایک محقق قرآن اور حدیث سے استناد کرنے بیٹھتا ہے تو اسے یہ دعویٰ نادرست معلوم ہوتا ہے قرآن حکیم کا ارشاد ہے:۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

(الحجرات ۲)

(ترجمہ) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو گروہ اور قبائل میں تقسیم کر دیا تاکہ تم آپس میں پہچانے جاؤ مگر درحقیقت معزز تو تم میں وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ ہم نے تم کو علیحدہ علیحدہ گروہوں اور نسلوں میں تقسیم کیا۔ پھر اس تقسیم کا مطلب بھی خود فرما دیا کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے پہچانے جاؤ۔ اس ارشاد باری سے یہ معنی تبادر ہوتے ہیں کہ قرآن، نسل اور خاندان کی بنا پر گروہوں اور قبیلوں کی تقسیم کو تسلیم کرتا ہے۔ لیکن آگے چل کر یہ بھی واضح کر دیا کہ نسل اور خاندان، نژاد و تبار پر تفاخر و تعلی بجا نہیں۔ حسب و نسب کے بعض مضر پہلوؤں (نسلی امتیاز و برتری) کے پیش نظر متنبہ کر دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنے قبیلہ کی برگزیدگی اور نسلی برتری میں مخمور ہو کر عمل صالح سے آنکھیں بند کر لو اور "پدرم سلطان بود" کی رٹ لگاتے رہو۔

ہر چند آپ اعلیٰ و افضل نژاد سے تعلق رکھتے ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلند مرتبہ اور جلیل منصب اس انسان کا ہے جس کے اعمال صالح ہوں۔ البتہ انسان اپنے صالح آباؤ ابنا پر فخر کر سکتا ہے کیوں کہ قرآن میں اس کا تذکرہ بڑی خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مثلاً وکان ابوھما صالحاً اور رب ھب لی من الصّٰلحین میں اگر انسان اپنے قبیلہ کے اعمال صالحہ کا تذکرہ قلم بند کر کے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی تحدیث کرے تو میرے خیال میں بیر بے جا نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اس فرمان "تعلموا من انسابکم ما تصلون بہ ارحامکم" کی رو سے سلسلۂ حسب و نسب کا تحفظ نہ صرف خاندانی اتحاد و اقتدار کے لئے ضروری اور لابدی ہے بلکہ کثرت مال و درازی عمر اور صلۂ رحمی کا باعث بھی ہے۔ چنانچہ راقم التحریر جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشاد گرامی کی تعمیل میں اعوان قوم کی تاریخ لکھنے کے لئے قلم اٹھانے کی جسارت کر رہا ہے جس کا وہ رکن ہے۔ "اعوان" عربی لفظ عون سے مشتق ہے اس کے لغوی معنی

معاون و مددگار رہے ہیں۔ تاریخ کی ورق گردانی سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ اعوان قوم نے اپنا یہ بے نظیر نام اپنی عدیم المثال قربانیوں سے حاصل کیا ہے

جو اوج کہ ہمت والوں نے آفاق میں رہ کر پایا ہے
یک لحظہ نہیں وہ بے در پے آفات کو سہ کر پایا ہے

اس قوم کے اسلاف اشاعت اسلام کے لئے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں شمشیر خارا شگاف علم کرکے فلک بوس پہاڑوں اور تپتے ہوئے ہلاکت خیز ریگستانوں سے گذر کر ہندوستان پہنچے اور " لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" کا نعرہ اس زور سے بلند کیا کہ مہاراجوں کے فلک تمثال محلات گنبد گردوں کی طرح گونج اٹھے اور ان کے جذبہ ایثار و فدائیت کو دیکھ کر لاتعداد پرستارانِ باطل بہ طیبِ خاطر ان کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس قوم کا شیوہ معاونت اسلام تھا اور خدا کے پیارے رسولِ عربی صلے اللّٰہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ان کا دستور العمل تھا۔ تمرّد و فرعونیّت کا ابطال ان کا وطیرہ تھا۔ اور اعلائے کلمۃ الحق ان کا مشرب ناب تھا۔ یہ پرستاران حق ہا تحاد و اتفاق کو مایۂ افتخار جانتے تھے۔ بڑی بڑی قومیں ان کے وقار کی قائل و معترف تھیں۔ الغرض وہ ہر معاملہ میں رضائے اللّٰہ و رسول (صلے اللّٰہ علیہ وسلم) پر کاربند تھے۔ لیکن حیرت کا مقام ہے کہ امتدادِ زمانہ اور مرور ایام نے قلب ماہیت کردی ہے۔ وہی قوم جس کا نصب العین واضح جس کا مدعا مبرہن اور جس کا مقصد منزّہ و عیاں تھا آج وہ اتنا بھی نہیں جانتی کہ وہ دنیا میں آئی تو کس لئے اور زندہ ہے تو کس لئے۔ مرنے کی تو خیر چھوڑیئے۔ جس کی زندگی بے مقصد گزر رہی ہو اس کے مرنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے اس پر تو حافظ شیرازی کا یہ شعر صادق آئے گا ؎

کس ندانست کہ منزل گہِ مقصود کجاست
ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے مے آید

ہماری قوم مسلک سے بے پروا، نصب العین سے بے اعتنا، راہِ عمل سے دور طریق کار سے نفور ہے چار دن کی زندگی کاٹتی ہے اور وہ بھی بعینہٖ اس طرح کہ دشت و بیابان میں موسم بہار میں خودرو پھول کھلیں اور خزاں میں سوکھ کر گریں اور جاڑا پڑنے پر نیست و نابود ہو جائیں نہ ان سے کسی کو فائدہ نہ ان کی کسی کو طلب۔ البتہ کسی معصوم بے گناہِ راہرو کے پاؤں میں چبھ کر غالب کے اُس شعر کی عملی تفسیر بن جائیں ؎

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب
اک آبلہ پا وادیٔ پُرخار میں آوے

یا اپنی خلش افروز یاد راہرو کے دل میں چھوڑ جائیں۔

اندریں حالات جب کہ اعوان قوم پر جمود طاری ہے اور اپنے موقف سے بہت دور جا پڑی ہے۔ ضرورت اس امر کی مقتضی ہے کہ قوم کے آباؤ اسلاف کے شجاعانہ کارناموں اور ان کے اوصاف حمیدہ اور اعمالِ ستودہ کے واقعات بیان کر کے نوجوانانِ قوم کی غیرتِ ملی و حمیت اسلامی کی خوابیدہ طاقتوں کو بیدار کیا جائے "از خوابِ گراں خوابِ گراں خوابِ گراں خیز" کا نعرۂ والہانہ سنا کر انہیں تبلیغِ اسلام سے مانوس کیا جائے تاکہ وہ خدمتِ پاکستان کو اپنا لائحۂ عمل بنالیں اور دین قیم کے احیا و بقا کے لئے کمربستہ ہوں۔ مظلوموں، بے نواؤں، غریبوں اور مہاجروں کی دستگیری کے لئے سربکف ہو کر نکلیں۔ اپنی تعلیمی اقتصادی، اخلاقی اور سیاسی پستی کو بلندی سے مبدّل کرنے میں مستعدی و گرمجوشی دکھائیں۔

واقعات و سوانح کے متعلق تو اس تاریخ میں ہر گونہ مواد موجود ہے اور اس مواد کو بیک جا سلکِ تالیف و تصنیف میں منسلک کر دینا گونہ مشکل نہیں ۔ لیکن کسی ایک قوم کی تاریخ مرتب و مدوّن کرتے وقت گوناگوں مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے کیوں کہ جس قوم کے متعلق کوئی منضبط و مرتبط مواد تاریخوں میں موجود نہ ہو اس کے متعلق سلسلۂ نسل و انساں کی تمام پیچیدگیوں اور الجھنوں کو سلجھانا اور ایک ایک غیر تاریخی فرد کے متفرق و منتشر حالات کو فراہم کر کے ایک مبسوط کتاب مرتب کرنا آسان کام نہیں بالخصوص اعوان قوم کی تاریخ مرتب کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے ۔ قیاس آفریں طبیعتوں نے قوم اعوان کے حسب و نسب کے مسئلہ کو اپنی طبع آزمائی کی جولان گاہ بنائے رکھا اور ہر اہل قلم نے ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست کے حسبِ منشا متضاد و متبائن نظریات پیش کرنے کی سعی کی لیکن حقائق و واقعات پر عدم تلاش کا پردہ پڑا ہوا ہے ۔

آج سے ربع صدی پیشتر اعوان قوم کی تاریخ سے متعلق اردو میں چند کتابیں شائع ہوئی تھیں لیکن امر واقع یہ ہے کہ یہ کتابیں زبان و بیان اور ترتیب و تبویب کی خامیوں کے علاوہ تاریخی اور واقعیاتی اعتبار سے بھی محل نظر تھیں ۔ نیز اکثر مؤلفین نے اپنے سطحی نقطۂ نگاہ کے باعث قوم کے حسب نسب کے مسئلے کو سلجھانے کی بجائے زیادہ الجھا دیا ۔ بدیں وجہ ان کی کدوکاوش تحصیل حاصل سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی ۔ آج کل تو یہ عالم ہے کہ متذکرہ کتب بھی نایاب ہیں ۔

اس تاریخی فقدان کو شدت سے محسوس کیا جا رہا تھا اور اعوان قوم سے ازلی مناسبت رکھنے والے علم دوست حضرات اعوان قوم کی مستند اور جامع تاریخ تصنیف کئے جانے کے بدل آرزومند تھے میرے چند احباب نے میری توجہ اس ملی و قومی فریضہ

کی طرف منعطف کراتے ہوئے کہا کہ "کالا باغ کو اعوان قوم کی مرکزیت کا شرف حاصل ہے اور گوناگوں خصوصیات سے تمہارا خاندان امتیازی روایات کا حامل چلا آتا ہے تمہارے پاس اعوان قوم کی تاریخ سے متعلق جو روایات، مکاتبات، دستاویزات اور مخطوطات محفوظ ہیں وہ علمی گنجہائے گراں مایہ سے کم نہیں ان کے مستند ہونے کی ضمانت تمہارے خاندان کی ثقاہت ہے اس لئے اگر تم اپنے خاندانی نسب ناموں، بیاضوں، روایتوں اور دوسری تاریخوں کی مدد سے اعوان قوم کی ایک جامع تاریخ مرتب کر دو تو یہ کارنامہ قوم پر ایک احسان عظیم کا مترادف ہوگا۔ اس سعی سے دو گونہ منفعت ہوگی ایک طرف تو قوم اپنے شاندار ماضی سے روشناس ہو جائے گی دوسری طرف قوم کے نسب نامہ کے متعلق یہ پرانا اختلاف ہمیشہ کے لئے حل ہو جائے گا کہ قوم کا سلسلہ نسب حضرت امام محمدؒ ابن حنفیہؒ، حضرت عباسؓ اور حضرت زبیرؓ میں سے کن کے ذریعے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ تک پہنچتا ہے۔ تمہاری یہ تالیف قوم کے لئے صرف سند ثابت نہ ہوگی بلکہ اس موضوع پر حرفِ آخر سمجھی جائے گی"

چنانچہ احباب کے شدید اصرار پر راقم السطور نے کمر ہمت باندھ لی اور اپنے خاندانی نسب ناموں، بیاضوں اور متعدد مطبوعہ وغیر مطبوعہ تاریخوں کی مدد سے یہ تاریخ مرتب کر دی ایسی روایات جو اب تک سینوں میں مکتوم تھیں اور زیور طباعت و کتابت سے محروم تھیں اور جن کے متعلق اندیشہ تھا کہ آنے والی نسلیں ان سے بہرہ اندوز نہ ہو سکیں گی یا وہ مسخ شدہ صورت میں بروئے کار آئیں گی وہ تمام روایات حسب موقع اس کتاب میں سپرد قلم کر دی ہیں۔

مؤلف ان دعاوی کو ثابت کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے اس کا جائزہ لینے کیلئے اگلے اوراق کا بغور مطالعہ فرمایئے۔

خاکسار شیر محمد۔ کالا باغ۔ ضلع میانوالی

۱۷ر جولائی ۱۹۵۷ء

حرف و حکایت

ہم میں سے کون ہے جس کو تاریخ سے دلچسپی نہ ہوگی۔ اخلاف کو اسلاف سے ہر ملک اور ہر دور میں اُنس رہا ہے اور یہ اُنس روز بروز نہ صرف بڑھتا گیا ہے بلکہ زیادہ منضبط اور زیادہ ہمہ گیر بھی ہوتا گیا ہے۔ اگلے زمانہ میں تاریخ خاندانی ہوتی تھی۔ یعنی ہر خاندان کی تاریخ اس کے اپنے آباؤ اجداد تک محدود ہوتی تھی اور ہر خاندان اپنی تاریخ کو ایک نعمت غیر مترقبہ کی طرح اپنے تک ہی محدود رکھتا تھا۔ یہ مختلف اور منتشر تاریخیں رفتہ رفتہ ایک شیرازہ میں منسلک اور منتظم ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ آج اگر ہر ملک اپنی جداگانہ تاریخ رکھتا ہے تو تمام ممالک کی تاریخیں مل کر کرۂ ارضی کی ایک تاریخ بھی بن جاتی ہیں۔ تاریخ کے ساتھ عالمی شغف باوجود تمام مادیات اور ظاہر پرستی کے دور بدور ترقی کر رہا ہے اور مغرب میں تاریخ کا یہ شوق جنون کی حد تک بڑھ رہا ہے۔ ہاں وہی مغرب جو ایٹم بم اور ہیڈروجن بم کا موجد ہے۔ علوم متداولہ میں آج تاریخ کو وہی اہمیت حاصل ہے جو کیمیا اور طبیعات کو۔ قدیمیات اور ارضیات، لغت کی اتنی ہی عام اصطلاحیں ہیں جتنی کہ ارتقا اور حیاتیات۔ ہم یہ جاننے کے لئے کہ بابل یا مصر میں اب سے دو ہزار برس پہلے کیا ہو رہا تھا اسی قدر بے تاب رہتے ہیں جس قدر کہ سیاسیات حاضرہ کے لئے۔ اور توت انخ امون کے عہدِ حکومت کے حالات ویسے ہی شوق کے ساتھ پڑھتے ہیں جیسا کہ ہنگری میں بغاوت کی خبریں۔

آج تاریخ کے ساتھ ہم کو اتنی دلچسپی کیوں ہے اور ماضیات کی ہم اتنی قدر کیوں کرتے ہیں؟ اس کی نفسیات کیا ہیں کہ برنارڈشا جیسا "مصلح" معاشرت جب انسانیت کے مستقبل کا کوئی نقشہ تیار کرتا ہے تو اس کا نام "باز بہ متوسلح" رکھتا ہے۔ ماضی کی اصطلاح میں مستقبل کی یہ تعبیر خالی از علت نہیں ہو سکتی۔ تو پھر اس کا راز کیا ہے؟ اس سوال کو اگر شائع کر دیا جائے تو بیسیوں ایسے نکلیں گے جو تاریخ کو محض مُردوں کی سرگذشت سمجھتے ہیں اور ہمارے اس شغف کو ایک قسم کی خوابیدگی پر محمول کرتے ہیں۔ ہنری فورڈ جیسے حال پرست نے تاریخ کو ایک عالم خواب سے تعبیر کیا ہے لیکن اس عالم خواب سے آخر ہم قطع نظر کیوں نہیں کر سکتے؟ یہ سوال اپنی جگہ باقی رہ جاتا ہے اگر علم و حکمت کی روشنی میں اس مسئلہ کی تحقیق و تدقیق کی جائے تو معلوم ہو کہ ماضی ہی اصل میں سب کچھ ہے اور اس سے انکار کرنا اپنے سارے سرمایۂ ہستی سے انکار کرنا ہے۔ نفسیات کی رو سے نفس انسانی کا سارا استقبال و حال منحصر ہوتا ہے اس کے گزشتہ تجربات پر۔ ہیگل فلسفہ کو ایک تاریخ مانتا ہے اور اس سے جدلیات کی انتہا ایک تصور مطلق پر ہوتی ہے۔ جو سائنس کائنات کی ابتدا ہے۔ حیاتیات آج تک زندگی کے مادہ اولی سے بے نیاز نہیں ہو سکی ہے اور ارتقا کا کوئی مبلغ ایسا نہیں گزرا ہے جو انسان اور مافوق الانسان کے تصوّر میں اس طرح گم ہوا ہو کہ "مخلوق اولیٰ" کو بھول گیا ہو فرانس کے شہرۂ آفاق حکیم برگساں کے تمام ارتقائے تخلیقی کی بنیاد قوت حیاتیہ پر ہے جو زندگی کا مبدا اصلی ہے۔ اور کہنے کے لئے قطعاً ماضی ہے۔ ریاضیات باوجود ترقی یافتہ ہونے کے اس نقطۂ موہوم کو نظر انداز نہیں کر سکتی جس کی حرکت سے یہ تمام اجسام پیدا ہوئے۔ علم کیمیا ترقی کے اتنے منازل طے کرنے کے بعد بھی اس

مادۂ اولیٰ کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے جس کے بعد اس کا کام نہیں چل سکتا اور جس کو اس نے سالمہ کہا کبھی برقیہ اور کبھی اثیریہ۔ دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں ہوا جو اپنی تعلیم و تبلیغ کے ہنگامہ میں اس "کن" کو بھولا ہو جس سے یہ "اٹھارہ ہزار عالم" وجود میں آگئے۔ یہ اور بات ہے کہ ہر مذہب میں اس "کن" کا تصور مختلف ہو۔

آپ نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ جس چیز کو آپ حال کہتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے؟ کیا اس سے آپ کو انکار ہے کہ آپ کا حال آپ کے ماضیات سے پیدا ہوا ہے! حیات اجتماعیہ کو چھوڑیئے۔ آپ من حیث الفراد اپنی ہی زندگی پر غور کیجئے۔ کیا آپ یقین اور اعتماد کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت جو کچھ آپ ہیں یا آئندہ جو کچھ ہوں گے وہ آپ کی بچپن کی تربیت کا لازمی نتیجہ نہیں ہے۔ جہاں تک آپ کا حافظہ کام دے سکے اپنے بچپن کے زمانہ کو یاد کیجئے۔ جن واقعات و حالات سے آپ گذرتے رہے ہیں کیا انہی سے آپ کی موجودہ زندگی کی تشکیل و تعیین نہیں ہوئی ہے؟

اگر آپ کافی غور و فکر سے کام لیں گے تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ بڑے بڑے اسباب اور موثرات تو ایک طرف جو چھوٹے چھوٹے قصے اور چٹکلے بوانسیین اور میاں جن سے آپ محض دل بہلانے اور نیند بلانے کے لئے سنتے تھے ان کے اثرات بھی آج تک آپ کے نفسیات میں باقی ہیں اور اپنا کام کر رہے ہیں۔ یہ تو آپ کی انفرادی تاریخ تھی مگر اسی سے دنیا کی تمام قوموں کی تواریخ اور پھر سارے تمدن انسانی کی ایک کلی تاریخ کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔ ایمانوئل بیرل نے اپنے ایک مفید اور دلچسپ پمفلٹ میں تمدن کی ایک ٹھوس جامع تمثیل پیش کی ہے وہ کہتا ہے:-

"تمدن کی مثال تجربات و علوم کے اس

مجموعہ کی سی ہے جو کسی ایک متحدہ خاندان
میں اکٹھا ہوتا چلا جاتا ہے اور جو اس
خاندان کے افراد کی مشترکہ ملکیت ہوتا ہے۔"

اگر تمام بنی نوع انسان کو ایک خاندان مان لیا جائے تو یہ تمثیل نہایت واضح ہو جائے مگر اس تمثیل میں زیادہ زور تجربات وعلوم اور ان کے اکٹھا ہوتے رہنے پر ہے۔ یعنی تمدن کی بنیاد ہمارے گذشتہ حالات و تجربات پر ہے جو ہماری اصل پونجی ہیں ہم اس وقت کیا ہیں اور آئندہ کیا ہوں گے ؟ یہ موقوف ہے اس پر کہ ہم پہلے کیا رہ چکے ہیں۔ جس فرد یا جس قوم کے پاس اپنا کوئی ماضی نہیں اس کے پاس نہ کوئی حال ہے اور نہ کسی مستقبل کی امید ہے۔ جس کو یہ نہیں معلوم کہ کل وہ کیا تھا وہ نہ آج کچھ ہو سکا نہ کل کچھ ہو سکے گا۔ آئرلینڈ کا بیستان نگار آسکر وائلڈ اپنی تمام ہٹ دھرمیوں کے باوجود بعض باتیں ایسی کہہ گیا ہے جو نہایت سنگین حقائق ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ "جو شخص پھر کر اپنے ماضی پر نظر نہیں ڈال سکتا وہ کسی مستقبل کا حقدار نہیں" حقیقت یہ ہے کہ زندگی ایک مسلسل اور مربوط واقعہ ہے جس کے ٹکڑے نہیں کئے جا سکتے۔ یہ نفس انسانی کی غلط اندیشی ہے کہ وہ حرکت دوام کو ماضی، حال اور مستقبل میں تقسیم کر کے زندگی کی کل حقیقت کو کچھ سے کچھ کر دیتا ہے۔ اس راز کو اب سے کئی ہزار برس پہلے یونان کے رہنے والے فلسفی ہرقلی طوس نے خوب سمجھا تھا وہ زندگی کو ایک ایسا دریا کہتا تھا جو ہمیشہ بہتا رہتا ہے اور جس کو کبھی سکون نہیں ہے۔ برگسان نے بھی زندگی کو ایک بہاؤ بتایا ہے۔ اس کے نزدیک اس زمانہ کی کوئی حقیقت نہیں جس کے ماضی، حال اور مستقبل میں ٹکڑے کئے جا سکیں۔ زمانہ کے بجائے وہ

ایک استمرار کا قائل ہے جس کے معنی دائمی حرکت کے ہیں۔

یہ تو آپ کو معلوم ہو گا کہ آج ماضی کو مردہ نہیں کہتے مردہ ماضی اب ایک متروک محاورہ ہے۔ اس کی جگہ زندہ ماضی نے لے لی ہے۔ اس لئے کہ تحقیقات کے بعد معلوم ہوا کہ ماضی کبھی فنا نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ باقی رہتا ہے۔

کیا ایران اس بات پر ناز کر سکتا ہے کہ جن دیوان ماژندران کو ایرانی رستم نے فتح کر کے بزعم خود مٹا دیا تھا اُن کے جسمانی نقوش اور تمدنی آثار اب تک اس کے اندر باقی نہیں۔ کیا جن، کول، دراوڑ، بھیل اور سنتال کو آریوں نے شکست دی تھی ان کی علامتیں آج بھارت کی "مہذب" قوم میں موجود نہیں ہیں۔ تمدن مغرب کے مورخ آج نہ صرف یہ مانتے ہیں کہ یونان وروما کی قدیم عمرانیت نے موجودہ تمدن کو بنایا ہے بلکہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مصر، اسوریہ، کلدان و بابل، ایران و توران کی وہ تہذیب جس کو اہل یونان وحشیانہ تہذیب سمجھتے تھے انہیں یونانیوں اور رومیوں کے توسط سے آج تک سارے یورپ کے تمدن کو کسی نہ کسی حد تک متاثر کئے ہوئے ہے اور باقی ہے۔

اس طول کلام سے مراد صرف اتنی تھی کہ اگر ماضی نام ہے کسی فانی چیز کا تو اس کا دنیا میں وجود نہیں۔ ماضی نام ہے دراصل اس سچے دوست کا جو سفر حیات میں ہمارا رفیق ہے اور تا زیست رہے گا۔ اور ہماری زندگی کے رُخ کو متعین کرتا رہے گا ہمارا یہ احساس روز بروز قوی ہوتا جاتا ہے کہ اگر ہم آئندہ کچھ ہو سکیں گے تو صرف اس بنا پر کہ دَورِ گذشتہ میں ہم کچھ رہ چکے ہیں اور اگر ہمارا کوئی مستقبل ہے تو صرف اس لئے کہ ہمارا ماضی ہمارے ساتھ ہے یتنعرحن کہنا ہے کہ جو قومیں اپنے ماضی

پر ناز کرتی رہی ہیں اور اسی میں محو رہی ہیں وہ زندگی کے میدان میں کچھ نہیں کر سکیں"
یہ بہت بڑی حد تک سچ ہے لیکن یہ ان قوموں کی مثال ہے جنہوں نے منترض کی
کی طرح ماضی کو مردہ اور غیر متحرک سمجھ لیا۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ منترض نے
ماضی کو محو کر دیا ہے اور ان قوموں نے ماضی کو غلط سمجھا ہے اور خود اس میں کھو گئی
ہیں۔ ماضی کو محض ایک لاش سمجھ لینا ایسا ہے جیسا کہ اس کو کچھ نہ سمجھنا سرمایہ کو بے قدر
و قیمت جان کر ضائع کر دینے اور اس کو دفن کر کے رکھ چھوڑنے میں در اصل کوئی فرق نہیں ہے۔

زندگی کو ایک ایسا مسلسل افسانہ سمجھئے جو ہمیشہ گذشتہ سے پیوستہ رہتا ہے
تا وقتیکہ یہ افسانہ ختم نہ ہو جائے۔ اس کے تمام گذشتہ واقعات آخر تک باقی رہیں
گے اور اپنی اہمیت قائم رکھیں گے افسانہ کا انجام کیا ہوگا؟ اس کا دارومدار اس پر
ہے کہ ابتدا سے لے کر اب تک اس میں کیا ہوتا رہا ہے یہ ایک نہایت کھلی بات ہے
تاریخ روز بروز اس حقیقت کو سمجھتی جا رہی ہے کہ ماضی زندہ جاوید ہے۔ جو بات
زندگی میں ایک بار ہو چکی ہے وہ کبھی مٹنے کی نہیں۔ کسی نہ کسی صورت میں باقی رہنا
اس کا مقدر ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جو نجابت ہمارے مورث اعلیٰ کی خصوصیت
تھی وہ آج تک ہمارے اندر باقی ہے۔ ماضی ہم کو نظر اس لئے نہیں آتا کہ وہ اپنی
صورت ہمیشہ بدلتا رہتا ہے لیکن تبدیل صورت تبدیل ماہیت کی دلیل نہیں۔

قصہ مختصر حال اور مستقبل دونوں ماضی کی بدلی ہوئی صورتیں ہیں اور اسی
حقیقت کو تسلیم کر لینے کا نام ہی تاریخ ہے۔ اور جس چیز کو ہم تمدن کہتے ہیں وہ
سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ ماضیات کا جائزہ لیا جائے اور ان کو ترتیب دے کر

بہتر سے بہتر صورت دینے کی کوشش کی جائے اس کوشش کے لئے اگر ایک طرف ارادہ اور اجتہاد کی ضرورت ہے تو دوسری طرف صحیح مشاہدہ اور بصیرت کی بھی اتنی ہی ضرورت ہے۔ ہم کو یہ بھی دیکھتے اور سمجھتے رہنا ہے کہ کس چیز کی اصلیت کیا ہے۔ اس کے اندر صلاحیت کتنی ہے اور کیا بن سکتی ہے اور کیا نہیں بن سکتی اگر ہمارے اندر یہ درک نہیں ہے تو اس ارادہ اور اجتہاد سے ہمارا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ اس حالت میں اندیشہ ہے کہ کوئی نئی صورت بھی مترتب نہ ہو اور اصل چیز بھی بگڑ کر ضائع ہو جائے۔ تمدّن جوں جوں ترقی کرتا جاتا ہے یہ بات ہماری سمجھ میں آتی جاتی ہے اور تاریخ کی اہمیت بڑھتی جاتی ہے اب جس تمدّن کی بنیاد جتنا ہی زیادہ تاریخ کے صحیح علم پر ہوگی اتنا ہی وہ تمدّن وسیع اور مقتدر ثابت ہوگا اور اتنا ہی زیادہ اس کا مستقبل جلیل اور محتشم بالشان ہوگا۔ اس لئے کہ ماضی کی تعمیرِ جدید ہی کا نام مستقبل ہے۔

سخنہائے گفتنی

اعوان قوم کے حسب و نسب کو زیب قرطاس کرتے وقت متنوع مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ایسے موانع و عوائق مؤرخین کو بہت سی پیچیدگیوں میں مبتلا کر دیتے ہیں اور مجبوراً انہیں خامہ فرسائی سے دستکش ہونا پڑتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

اوّل۔ اس قوم نے اپنے نسب ناموں کو کھو دیا اور اپنی معلومات کا انحصار زامشگر نسابوں کی روایت طرازی پر رکھ دیا۔ اگر ان سے داستان گوئی کے دوران میں کہیں سہو ہو گیا تو انہوں نے سلسلۂ سخن کو جاری رکھنے کے لئے وہاں ایک فرضی نام کہہ دیا۔ لہٰذا حقیقت مبدّل بہ فسانہ گوئی ہو گئی۔ ؏

چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

دوم۔ سلسلۂ نسب میں بعض بزرگان ذی شان کے ناموں کے ساتھ ان کے اضافی لقب اور خطاب منسلک تھے۔ وہاں کسی نے نام کو یاد کر لیا کسی نے عرف، لقب، خطاب یا کنیت کو یاد رکھ لیا۔ اصل نام اور فروعی و اضافی نام میں التباس ہو گیا۔

سوم۔ انگریزی عملداری میں جب محکمہ بندوبست کی تشکیل ہوئی تو انجام سے بے خبر قوم نے غیر ارادی طور پہ کہیں بھی صحیح نسب نامہ پیش نہ کیا۔ اس لئے لامحالہ محققین کو اس قوم کے متعلق قیاس آرائی سے کام لینا پڑا۔ انگریزی عملداری کے مہتمان بندوبست

کو کیا پڑی تھی کہ وہ اعوان قوم کے حسب نسب کی صحت کے متعلق تحقیق و توفیق کا باب وا کرتے اور صحیح روایات فراہم کرنے کی زحمت گوارہ کرتے۔ ان کا مبلغ علم انفرادی تھا جو کچھ کسی نے بتا دیا انہوں نے اس پر اپنی رائے قائم کر دی۔

چہارم:- اس سلسلہ میں یہ واقعہ منجملہ از حوادث عظیم قرار دیا جا سکتا ہے۔ کہ بغداد سے قطب زمانی حضرت پیر عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے اپنا ایک خلیفہ موسوم بہ عون بن یعلیٰ تبلیغ اسلام و اعلائے کلمتہ الحق کے لئے ہندوستان میں بھیجا۔ اہل بغداد اس خلیفہ مکرم کو قطب ہند کے اسم گرامی سے موسوم کرتے ہیں۔ خلیفہ ممدوح اپنی ایک اہلیہ اور دو بیٹیوں کی معیت میں ہندوستان آیا تھا۔ اور کچھ مدت ہندوستان میں قیام کرنے کے بعد اپنے اہل و عیال سمیت معاودت فرمائے بغداد ہوا۔ بغداد کی تباہی کے بعد لوگ جوق در جوق راہ ہجرت اختیار کرکے ہندوستان آگئے اور تاجرانہ مشاغل سے نفع کثیر حاصل کرکے بغداد واپس ہو گئے۔ راستہ میں ان کا ملنا ہماری قوم کے کچھ افراد سے ہوا جو حضرت میر قطب حیدر رحمتہ اللہ علیہ (معروف بہ قطب شاہ) کے اخلاف تھے۔ لیکن اہل بغداد نے یہ باور کر لیا کہ یہ لوگ عون بن یعلیٰ بغدادی معروف بہ قطب الہند کی اولاد سے ہیں۔ چوں کہ عون بن یعلیٰ حضرت عباس رضؓ نامدار ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھے اس وجہ سے بغدادیوں نے جو سفرنامے مرتب کئے ان میں اعوان قوم کو عون بن یعلیٰ قطب ہند کی اولاد لکھ دیا۔ یہ اقدام ایک تاریخی معمہ بن گیا۔ اور اس نے ایک عجیب و غریب الجھن پیدا کر دی۔ جس اہل قلم نے تاریخ اعوان لکھنے کا ارادہ کیا وہ اہل بغداد کی نوشتہ تاریخوں کو دیکھ کو ششدر رہ گیا۔ حل طلب عقدہ

یہ تھا کہ اعوان علی رؤس الاشہاد اعلان کرتے ہیں کہ ہم حضرت امام حنفیہ رضی اللہ عنہ بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ لیکن تاریخوں میں اعوان قوم کو عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد ثابت کیا گیا ہے۔ جن حضرات نے اعوان قوم کی تاریخ لکھنے کا عزم کیا وہ اس عقدہ کو سلجھانے میں عاجز رہ گئے اور تاریخ کی تسوید سے دستکش ہونے پر مجبور ہو گئے۔ ان اشکالات کی وجہ سے اعوان قوم اپنی صحیح تاریخ سے بے بہرہ رہی۔

پنجم۔ عرصہ ہوا کہ اعوان قوم کے ایک دردمند بزرگ زبدۃ الحکما حکیم غلام نبی امرتسری ثم لاہوری مرحوم و مغفور نے ایک صاحب مولوی نورالدین سے قوم کی تاریخ کے متعلق دو کتابیں "باب الاعوان" اور "زاد الاعوان" کے نام سے لکھوا کر شائع کیں ان کتب کی طباعت و اشاعت سے قبل حکیم صاحب موصوف نے اعوان قوم کے تقریباً پچاس نسب نامے جمع کئے۔ یہ نسب نامے کلہم امام محمدؒ ابن حنفیہ رضی اللہ عنہم سے ملحق تھے۔ مگر مولوی نورالدین نے بغدادی مورخین سے متفق ہو کر اپنی تالیفات میں اعوان قوم کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ کی اولاد لکھ دیا۔ افراد قوم متفق اللسان ہو کر پکارتے ہیں کہ ہم حضرت امام محمدؒ ابن الحنفیہؒ کی اولاد ہیں۔ مورخین کو اگر غلط فہمی ہو گئی ہے تو ہو لیکن ہم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد تو نہیں۔

مولوی نورالدین کی تالیفات کے شائع ہونے کے بعد اعوان قوم سے متعلق وقتاً فوقتاً ملک کے اخبارات و رسائل میں جو مقالات شائع ہوتے رہے ان کا تمام تر ماخذ و منفذ مولوی نورالدین کی تالیفات تھیں۔ اس لئے انہوں نے مولوی نورالدین

کی تحقیقات کو منزّل من السماء سمجھتے ہوئے اعوان قوم کو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد لکھ دینے میں کوئی باک محسوس نہ کیا اور از خود تحقیق مزید کی زحمت گوارا نہ کی۔

مولوی حیدر علی اعوان لدھیانوی کی تربت کو اللہ تعالیٰ عنبرین کرے جنھوں نے بیشمار تواریخ کے مطالعہ کے بعد دو کتابیں موسوم بہ "تاریخ حیدری" اور "تاریخ علوی" لکھیں ان کتابوں میں انہوں نے تحقیق عمیق کے بعد اعوان قوم کو حضرت امام محمد ابن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد ثابت کیا ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اول تو مولوی حیدر علی کی متذکرہ بالا تالیفات اندریں ایام نایاب ہیں۔

دوم ان کا انداز بیان اتنا الجھا ہوا ہے کہ دورِ حاضر کا نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ ان سے کماحقہٗ مستفید بھی نہیں ہو سکتا۔

ششم۔ سکھوں کا دورِ حکومت جہاں اور گوناگوں نوائب و مصائب کا آئینہ دار تھا وہاں اعوانوں کے لئے کچھ کم ابتلا افزا اور مصیبت زا نہ تھا۔ چونکہ ان ایام میں اعوانوں کی کوئی مرکزیت نہیں تھی۔ پنجاب میں ان کے قبائل اطراف و اکناف میں منتشر اور پراگندہ تھے۔ اس لئے یہ لوگ سکھوں کے مقابلہ میں متحدہ محاذ قائم کرنے کے قابل نہ تھے۔ برعکس ازیں سکھوں کی حکومت تھی سطوت تھی۔ اقتدار تھا۔ یہ حکمران قوم کوس لمن الملک" بجا رہی تھی اور اپنا لوہا منوا رہی تھی۔ انہیں ہر محاذ جنگ پر دار الحکومت سے برابر امداد ملتی رہتی تھی۔ باوجود ماحول کی ان مشکلات کے اعوانوں نے ہر جنگی محاذ پر سکھوں کے دانت کھٹے کئے۔ جدال و قتال کا یہ عالم تھا کہ سکھوں کے ایک جتھے کو بھگاتے تھے تو دوسرا جتھہ جیکارا بول کر حملہ آور ہو جاتا تھا۔ سکھ رات کی تاریکی میں کھڑی فصلوں میں آگ لگا دیتے تھے۔ فصلوں کے زیاں

بے پایاں اور باہم جنگ و جدال سے اعوانوں کی اقتصادی حالت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ "ہر کسے پنج روز نوبت اوست" کے حسب مضمون بالآخر ۱۸۴۹ء میں انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کرلیا۔ ملک کی کانیں جو ورانثتاً اعوانوں کے قبضہ و تصرف میں چلی آتی تھیں وہ انگریزوں کے حیطۂ اختیار میں آگئیں۔ اب اعوانوں کے پیش نظر بجز کاشتکاری کے معیشت و معاشرت کے دوسرے ذرائع مسدود ہوگئے۔ اس پر طرّہ یہ ہوا کہ اعوانوں نے اپنی آن کو برقرار رکھنے کے لئے شادی بیاہ کی رسومات پر بے دریغ خرچ کرنا شروع کردیا۔ ان مسرف اداخراجات کے لئے ہندو مہاجنوں کا دست نگر ہونا پڑا۔ اور سودی قرضے لینے کی خو پڑ گئی۔ ان خون آشام سود خواروں نے جونکوں کی طرح ان کا خون چوسنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ زمین بھی جس پر ان کی معیشت کا بیشتر انحصار تھا سود خواروں کے تصرف میں بشکل رہن و بیع جانے لگی۔ اور یہ قوم پہلے کی بہ نسبت زیادہ تنگ دست و نادار ہوگئی اِنّا لِلّٰہ واِنا الیہ راجعون۔ آخر خدا کا کرنا کیا ہوا کہ ۱۹۰۰ء میں لارڈ کرزن کے زمانے میں زمینداروں اور کسانوں کی حالت کو بہتر بنانے کے لئے پنجاب میں ایکٹ انتقال اراضی پاس کیا گیا۔ اس ایکٹ کی رو سے غیر زراعت پیشہ اقوام زمین نہیں خرید سکتی تھیں۔ اس ایکٹ کے نافذ ہونے پر سود خوروں کا دست تطاول رک گیا۔ ان کا پنجۂ استبداد قانونی پنجہ گیر کے مقابلہ میں شکستہ سا ہوگیا۔ اعوانوں کے پاس بچی کھچی زمینیں خاندانی تقسیم در تقسیم کی وجہ سے کنالوں کی بجائے مرلوں میں بدل گئیں۔

قابل غور مقام ہے کہ جو قوم ایسے حوادث سے دوچار رہی ہو جس کو نکبت و ادبار

کے جملہ مراحل وشوار گذار کو طے کرنا پڑا ہو وہ نامساعد حالات میں اپنی تاریخ اور حسب نسب کا کیا خیال کر سکتی تھی ۔

ا۔ حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ کسی صاحب کا لقب یا خطاب نام نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک اضافی چیز ہے ۔ جیسے بلحاظ قواعد (گرامر) عطف بیان کہتے ہیں اور اصل نام کو مبین کہا جاتا ہے ۔ بطور تمثیل صوفیا، علماء، شعراء، امراء اور زعماء کے چند اسماء مع ان کے القابات کے درج کئے جاتے ہیں :۔

(۱) سلطان الہند خواجہ معین الدینؒ اجمیری ۔

(۲) شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ ۔

(۳) ترجمانِ حقیقت علامہ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ۔

(۴) قائداعظم محمد علی جناح ۔

(۵) قائد ملت خان لیاقت علی خان ۔

(۶) لسان العصر اکبر الہ آبادی ۔

(۷) ابوالاثر حفیظ جالندھری ۔

اگر اعوان قوم ۔ عون بن یعلیٰ کی اولاد ہوتی تو ان کے نام سے موسوم ہوتی اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عون بن یعلیٰ کا خطاب " اعوان " کسی مورخ نے بھی نہیں لکھا تو پھر ان کی اولاد کو لفظ اعوان سے منسوب کرنا کہاں تک مستحسن ہے ۔

حضرت میر قطب شاہ کا نسب نامہ حسب ذیل ہے :۔

میر قطب شاہ بن شاہ عطاء اللہ غازی بن شاہ طاہر غازی بن شاہ طیب غازی بن شاہ محمد غازی بن شاہ عمر غازی بن ملک آصف غازی بن شاہ بطل غازی بن

شاہ عبدالمنان غازی بن امام محمد حنیف بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صوفی شاعر حضرت مرزا مظہر جان جاناں اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ:-

"میں قطب حیدر رضؓ کی اولاد سے ہوں اور وہ
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد
سے ہیں ــــ" (مکتوبات مظہر)

۲۔ ہماری قوم تیرہ سو سال سے برابر امام محمد ابن حنفیہؓ کی اولاد کہلا رہی ہے اور اس میں کسی نے فیہ نہیں نکالی۔ پھر چند غیر محقق مورخین کی غلط فہمی سے یہ کیوں کر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ کہ ہم حضرت عباس کی اولاد سے ہیں۔ قوم کا اتفاق دلیل قوی (آفتاب آمد دلیل آفتاب) ہوا کرتا۔ جس کو کسی مورخ نے کبھی رد نہیں کیا۔ بلکہ اس کو اصل الاصول قرار دے کر اس کے لئے روایات و واقعات تلاش کئے جاتے ہیں۔ نہ کہ قوم کو مجبور کیا جاتا ہے۔ کہ وہ اپنے پرانے دعوئی سے دست بردار ہو جائے؟

۳۔ صاحب تاریخ "میزان قطبی" حضرت میر قطب شاہ اور ان کے رفقاء کے خطاب اعوان کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

لانهم لرؤس الملوك السلطان	(انہوں نے) راس الملوک سلطان محمود
المحمود ابن السبكتكين الغزنوي	ابن سبکتگین غزنوی کی جہاد ہند میں اعانت
على جهاد الهند يكونون مشهوراً بالاعوان	کی اس وجہ سے اعوان مشہور ہوتے۔

۴۔ رسالہ "الاعوان" لاہور میں ایک مضمون بعنوان "تاریخ قوم اعوان" بالاقساط شائع ہوتا رہا ہے۔ یہ مضمون دراصل مولوی نور الدین کی تالیفات "باب الاعوان" اور "زاد الاعوان" کا مخلص تیار کر کے لکھا گیا تھا۔ ذیل میں رسالہ "الاعوان"

بابت مئی ۱۹۴۰ء سے ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے :۔

"بعض کتب میں مرقوم ہے کہ راس الملوک سلطان محمود غزنوی کے ساتھ علوی حنفی جہاد ہند کو آئے تھے ۔ جن میں ایک سالار ساہو امیر تھا۔ اور یہی امیر لاہور میں نائب السلطنت وائسرائے مقرر ہوا اس کا بیٹا سید سالار مسعود غازی جہاد کر کے بہرائچ میں مدفون ہوا کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت امام حنیف کی اولاد سے تھے لیکن سب سالار مسعود غازی کی اولاد کے متعلق مورخین خاموش ہیں ۔ ہو سکتا ہے ۔ کہ وہ لاولد ہوں ۔

دوسری طرف حضرت عون بن یعلیٰ بغداد میں ۴۱۹ھ میں کتم عدم سے عالم ہست میں تشریف لاتے ہیں اور راس الملوک سلطان محمود بن امیر ناصر سبکتگین بادشاہ غزنی ۴۲۱ھ میں بعمر ۶۳ سال داد شجاعت دے کر خالی ہاتھ راہی ملک عدم ہوتے ہیں ۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ سلطان محمود غزنوی کی وفات سے صرف ایک سال پہلے حضرت عون قطب شاہ قادری تولد ہوئے ۔ لہذا یہ بات تو قرین قیاس نہیں کہ قطب شاہی اعوان سلطان محمود غزنوی کے ساتھ آئے ہوں ۔ باقی رہا یہ امر کہ حنفی علوی غزنوی لشکر کے ساتھ آئے ہوں تو یہ بات ممکن الوقوع ہے ۔"

مقالہ نگار نے خود تو تحقیق کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا ۔ مولوی نورالدین کی عبارت

کو ادنیٰ تعبیر و تصرف کے ساتھ نقل کر دیا۔ اگر وہ خود تحقیق کی خفیف سی سعی بھی کرتے تو ان پر حقیقت مکتوم عالم آشکارا ہو جاتی کیونکہ کتب تواریخ انہ قبیل تاریخ "علوی" اور "تاریخ حیدری" وغیرہ میں لکھا ہے کہ شاہ عطاء اللہ غازی کے تین بیٹے تھے :۔

(۱) میر ساہو

(۲) میر قطب حیدر

(۳) میر سیف الدین

میر ساہو غازی کے بیٹے سید سالار مسعود غازی تھے۔ میر قطب شاہ سید سالار مسعود غازی کی اولاد سے نہیں ہیں بلکہ ان کے حقیقی چچا ہیں۔ اور اعوان ان ہی کی اولاد سے ہیں۔

مندرجہ بالا مقالہ نگار کی تحقیق کے مطابق عون بن یعلیٰ بغدادی ۴۱۹ھ کو پیدا ہوئے اور سلطان محمود غزنوی ۴۲۱ھ میں راہی ملک بقا ہوئے۔ بس عون بن یعلیٰ بغدادی کا شریک جہاد ہند ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ جہاد ہند میں میر قطب شاہ شریک ہوئے چنانچہ منشی ہنومان پرشاد اپنی تالیف "مخزن ہند" میں رقمطراز ہے :۔

"گویند کہ میر قطب نام شخصے از غزنی بہ ہند آمد سہ زنان ہندی در عقد آوردہ بود و از ایشان نسل بسیار شد۔"

۵۔ اگر غیر صحیح و نادرست روایات کی رو سے اعوان قوم کا نسب نامہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وساطت سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچایا جائے

تو لازمی طور پر اعوان قوم کو عون بن یعلیٰ بغدادی کی اولاد تسلیم کرنا پڑیگا اور اس صورت میں محمود غزنوی کے ساتھ اعوانوں کا شریک جہاد ہند ہونا ثابت نہیں۔ چونکہ محمود غزنوی کے ساتھ اعوانوں کا شریک جہاد ہند ہونے کا واقعہ زبان زد خاص و عام ہے اور اس کا رنامہ پر اعوان قوم کو بجا طور پر ناز ہے اگر اعوان قوم کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد تسلیم کیا جائے تو عون بن یعلیٰ رح جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہے، محمود غزنوی کا معاصر ثابت نہیں ہوتا اعوانوں کو اپنے مایۂ ناز افتخار کارنامہ سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔

۶۔ راmشگروں نے اعوانوں کے بعض نسب ناموں میں اعوانوں کا شجرۂ نسب زبیر کی وساطت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچایا ہے۔ لیکن صحیح تواریخ سے زبیر کا حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت حنفیہ رض کا بیٹا ہونا ثابت نہیں ہوتا اٹھاراں فرزندان علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صرف پانچ کی اولاد ہوئی۔ زبیر کا صاحب اولاد ہونا تو درکنار فرزند علی رض ہونا بھی محتاج ثبوت ہے جو لوگ اپنا سلسلۂ نسب زبیر بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاتے ہیں وہ تاریخ سے ناواقف ہیں

۷۔ مال کے کاغذات میں عام طور پر لفظ "اعوان" کو "آوان" لکھا جاتا ہے جو سراسر غلط ہے۔ شروع شروع میں ہندوستان میں آنے پر یہاں کے باشندوں نے محض صوتی مناسبت سے آوان کہا ہوگا۔ کیونکہ ہندی زبان میں "ع" کوئی لفظ نہیں غلط العام فصیح کے حسب خواہ یہ لفظ کثرت استعمال کی وجہ سے جائز و گوارہ معلوم ہونے لگ گیا ہوگا۔ اور کاغذات مال میں آوان درج ہو گیا ہوگا۔ کتابت کی اس غلطی کا ازالہ کرنا بحد ناگزیر ہے۔ کیونکہ یہ لفظ بے معنی ہے۔ اس کی صحت کے لئے اجتماعی مطالبہ ضروری ہے۔ قوم کے حسب نسب کے متعلق ان ضروری وقت طلب مسائل کو حل کرنے کے بعد مستند تاریخی واقعات بیان کئے جاتے ہیں:

امام محمدؒ ابن حنفیہ

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے نو حرم تھے جن سے اٹھاراں فرزند پیدا ہوئے ان میں سے صرف پانچ فرزندوں کی اولاد جاری ہے جن کے نام درج ذیل ہیں :۔

(۱) امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۲) امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۳) امام محمدؓ ابن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۔

(۴) عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۵) عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پہلے حرم سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا سے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے ۔ ان کی اولاد حسنی اور حسینی کہلاتی ہے اور باقی حرموں کی اولاد علوی کہلاتی ہے ۔

اعوان قوم کے مورث اعلیٰ حضرت میر قطب شاہ کا سلسلۂ نسب نو واسطوں سے حضرت امام محمد ابن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن علی المرتضیٰ تک پہنچتا ہے ۔ حضرت امام محمد کی والدہ خولہ ملقب حنفیہ بن لجیم سے ہیں ۔ آپ سنہ خلافت فاروقی میں پیدا ہوئے آپ کے زہد و ریاضت اور زور و قوت کے متعلق بہت سے واقعات مشہور ہیں لشکر مرتضوی کے علمبردار آپ ہی ہوا کرتے تھے ۔ کسی نے ان سے کہا کیا وجہ ہے کہ آپ کے والد بزرگوار

حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جنگ میں نہیں بھیجتے اور آپ کو ہر ایک سخت کام پر مامور کیا کرتے ہیں فرمایا "وہ علی رضی کی آنکھیں ہیں اور میں علی رضی کا ہاتھ ہوں"۔ مختار ثقفی (جس نے قاتلانِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سخت انتقام لیے) اپنے آپ کو ان ہی کا مختار بتایا کرتے تھے۔

حضرت امام محمدؒ ابن حنفیہ رضی کے دو بیٹے تھے بڑے کا نام عبد المنان اور چھوٹے کا نام عبد الفتاح تھا۔ حضرت میر قطب شاہ بڑے بیٹے کی اولاد امجاد سے ہیں۔ اور چھوٹے بیٹے کی اولاد سے حضرت خواجہ احمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ مدفون گلبرگہ (دکن) ہیں۔

حضرت امام محمدؒ ابن حنفیہ رضی نے مدینہ منورہ میں بعمر ۶۵ سال ۸۱ھ مطابق ۲۶ فروری ۷۰۰ء میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اولادِ امام محمدؓ ابن حنفیہؒ کی وطن سے ہجرت اور غزنی میں قیام

جب دیارِ عرب میں اُمرائے بنو امیہ بر سر اقتدار آئے تو انہوں نے سادات فاطمی و علوی پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ ان کے ظلم و استبداد سے تنگ آ کر یہ لوگ جوق در جوق وطن سے ہجرت کرنے لگے اس سلسلہ میں حضرت امام محمدؓ ابنِ حنفیہؒ کی اولاد میں سے کچھ افراد سفر کی کٹھیاں اٹھائے ہوئے ہرات پہنچے اور وہاں اقامت اختیار کی[1] اس زمانہ میں امیر سبکتگین غزنی میں سریر آرائے حکومت تھا۔ غزنی غازیوں کے شہر کے نام سے مشہور تھا۔ کیونکہ جہاد کے لئے مجاہدین بھرتی کئے جاتے تھے اور مختلف علاقوں میں جہاد کے لئے لشکر بھیجے جاتے تھے۔ علویوں کے ایک بزرگ شاہ عطاء اللہ نے امیر سبکتگین کے لشکر میں سپہ سالار کے منصب پر فائز ہو کر اکثر جہادوں میں دادِ شجاعت دی۔ اس لئے ان کو غازی کے نام سے نوازا گیا۔ آپ ایک بہادر سپہ سالار ہونے کے علاوہ عابد و زاہد اور متقی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تین فرزند عطا کئے تھے جن کے نام یہ ہیں :۔

۱۔ میر ساہو۔

۲۔ میر قطب حیدر۔

۳۔ میر سیف الدین۔

میر ساہو افواج غزنی کے سپہ سالار تھے۔ انہوں نے بڑی بڑی جنگوں میں اپنی بہادری کا

---

[1] اب تک ہرات اور اس کے قرب و جوار میں علوی بکثرت آباد ہیں۔

سکہ جما دیا۔ آپ غازی سلطان محمود کے بہت معتمد تھے۔ اگر سلطان کسی جگہ کسی وجہ سے نہ جا سکتا تو انہیں اپنا قائم مقام کر کے بھیجتا تھا۔ آپ سلطان سے قرابت قریبہ رکھتے تھے یعنی ان کی اہلیہ بی بی ستر معلیٰ غازی سلطان محمود کی حقیقی ہمشیرہ تھیں اس لئے سلطان انہیں بھائی کہہ کر پکارتے تھے۔ شاہ عطاء اللہ غازی کے دوسرے بیٹے میر قطب شاہ تھے جو اعوان قوم کے مورث اعلیٰ ہیں۔ تیسرے بیٹے میر سیف الدین تھے جو اپنے بھتیجے سید سالار مسعود غازی ابن امیر ساہو کے ساتھ دریائے کھیڈلا کے کنارے ۱۲ راجگان ہند کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کا مزار بہرائچ میں سید سالار مسعود غازی کے مزار کے ساتھ موجود ہے ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

علویوں کی جہاد ہند میں شمولیت

۱۰۲۱ء عیسوی کا زمانہ ہے۔ ہندوستان میں کفر و شرک کے گھٹاٹوپ بادل چھائے ہوئے ہیں۔ غزنی میں سلطان محمود کا پرچم پرشوکت و حشم لہرا رہا ہے۔ سلطان محمود نے ہندوستان میں کفر و طغیان کے استیصال کے لئے ہندوستان پر لشکر کشی کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ مجاہدین وفور شوق سے علم جہاد کے نیچے جوق در جوق جمع ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ روانگی کا بگل بج رہا ہے۔ سلطان محمود ابھی محل سے برآمد نہیں ہوئے۔ محل میں اپنی فتح و کامرانی کے لئے خشوع و خضوع سے دعا میں منہمک ہیں۔ میر قطب شاہ اپنے قبیلے کے لشکر سمیت حاضر ہوئے۔ اور نقیب کو باریابی کے لئے کہا۔ نقیب نے سلطان کو اطلاع دی۔ کہ میر عطاء اللہ غازی کا بیٹا میر قطب شاہ خدمت میں حاضری کی اجازت چاہتا ہے۔ سلطان نے حاضری کی اجازت دی۔ میر قطب شاہ نے حاضر ہو کر سلام نیاز پیش کیا۔

سلطان نے پوچھا قطب شاہ کہو کیسے آمد ہوئی۔ میر قطب شاہ نے عرض کی سلطان ذی جاہ! آپ نے کفر و شرک کو صفحۂ دہر سے مٹانے اور اسلام کا پرچم بلند کرنے کا عزم صمیم کیا ہے۔ خدائے قادر و قیوم آپ کو کامیابی عطا فرمائے۔ بندہ اپنے لشکر سمیت اس لئے حاضر ہوا ہے کہ آپ ہمیں بھی اس جہاد میں شرکت کی اجازت بخشیں۔ سلطان نے کہا "مرحبا! قطب شاہ! تم پر خدا کی سلامتی۔ جس طرح اہل مدینہ نے حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم

کا ساتھ دے کر انصار کا خطاب پایا تھا۔ اسی طرح آپ لوگ میری اعانت کے لئے سربکف آئے ہیں اس لئے میں آپ کو "اعوان" کا خطاب دیتا ہوں"۔ لہ

سلطان محمود کے ان اعوان یعنی مددگار مجاہدوں کی اولاد اس واقعہ کی نسبت سے آئندہ چل کر اعوان کہلانے لگی۔ یہ بے ساختہ زبان سے نکلا ہوا کلمہ مستقل حیثیت اختیار کر گیا۔

اعوانوں نے سلطان محمود کے ہمرکاب مختلف جہادوں میں شاندار کارنامے سرانجام دیئے اور بالخصوص آخری معرکہ (سومنات) میں تو اپنی شجاعت کی اَمٹ مثال قائم کر دی۔ جب سلطان ہندوستان میں اسلام کا پرچم سربلند کرنے کے بعد غزنی چلا گیا تو اعوانوں کے کچھ خاندان مغربی پاکستان میں کوہستان نمک کے دامن میں اقامت گزین ہو گئے۔ اس علاقے میں یہ خوب پھلے پھولے اور دوسرے قبیلوں پر اقتدار حاصل کر لیا اس علاقے میں ان کا یہ اقتدار مدتوں قائم رہا۔ اب تک اس علاقے کے تمام اعوان اپنے آپ کو بادشاہوں کی اولاد سمجھتے ہیں اور شاید اسی وجہ سے "ملک سے" یعنی بادشاہ کہلواتے ہیں۔

لہ تاریخ علوی از مولوی حیدر علی لدھیانوی۔

سے۔ مقالہ "اعوان" از جناب محمد فاضل صاحب ایڈیٹر روزنامہ "تعمیر" راولپنڈی۔

میر قطب شاہ کوہستانِ نمک میں

حضرت میر قطب شاہ اپنے قبیلے کے لشکر کی معیت میں پنجاب کے راجاؤں کو شکست در شکست دیتے ہوئے آخری سرحد علاقہ کالا باغ تک پہنچ گئے اور مقام ڈھنگوٹ[1] کے راجہ کلک سے معرکہ آرا ہوئے اور نتیجۃً راجہ اور اس کی تمام رعایا حلقہ بگوش اسلام ہوئی۔ چنانچہ کلک کی اولاد آج کل کلیلے۔ کلیارا اور کلوکے کے نام سے مشہور ہے اس کے بعد آپ نے علاقہ پکھڑ فتح کیا اور وہاں کا راجہ بلو کیہ بھاگا اور علاقہ سون سکیسر (شاہ پور) میں پناہ گزین ہوا۔ حضرت قطب شاہ نے علاقہ پوٹھوار کی طرف رخ کیا اور وہاں کے راجہ پرتھوی راج کو اسلام کی دعوت دی۔ مگر راجہ نے جنگ کی ٹھانی آخر کار حضرت میر قطب شاہ سے شکست فاش کھائی اور بعد ازاں مشرف بہ اسلام ہوا۔ یہ چوہان قوم سے تھا۔ آخر ش راجہ نے حضرت قطب شاہ سے اپنی بیٹی کے عقد کی درخواست کی۔ جسے آپ نے شرف قبولیت بخشا۔ چنانچہ اسی محترمہ کی اولاد چوہان اعوان مشہور ہے۔

اس کے بعد آپ نے اپنی فتوحات کی عنانِ سطوت نشان علاقہ سون سکیسر کی طرف پھیری اور وہاں کے راجہ ہار داور کارو کے ساتھ آویزش ہوئی۔ آخر کار آفتاب اسلام

---

[1] اعوانوں کی بود و باش سے قبل اس مقام کا نام نگر کوٹ تھا۔ اعوانوں نے جب یہاں اقامت اختیار کی تو اس کا نام دین کوٹ رکھا گیا جو بگڑ کر ڈھنگوٹ ہو گیا۔

کی ضیا باریوں سے ہنود کے کفر زدہ سینے بھی روشن ہو گئے۔ کچھ عرصہ آپ قصبہ انگہ میں مقیم رہے۔ ٹھیک دو برس کے بعد حضرت والا جاہ قطب شاہ نے لاہور کا رخ کیا۔ اور کافی فتوحات کے بعد مراجعت فرمائے انگہ ہوئے۔ اس علاقہ میں آپ نے کچھ عرصہ قیام کیا اور اپنے نو صاحبزادگان کو مختلف علاقے سپرد کرکے اور دو صاحبزادوں کو ہمراہ لے کر غزنی تشریف لے گئے۔ اور ایک سال غزنی میں قیام کیا اور ماہ رمضان المبارک ۴۲۱ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۰۳۰ء شب جمعہ کو آپ نے اس جہان فانی سے رحلت فرمائی انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آپ نے اپنی وصیت میں یہ آیت تین دفعہ تلاوت فرمائی:۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا

جب آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر رہی تھی۔ آپ نے اس وقت بھی کلمۂ شہادت کے بعد فرمایا: "آپس میں جھگڑے نہ کرنا ورنہ تباہ ہو جاؤ گے" اور ہمیشہ کی نیند سو گئے۔

میر قطب شاہ کی اولاد

حضرت میر قطب شاہ مؤسس خودمانِ اعوان نے مختلف راجگان ہند کی تین بیٹیوں کو ازدواج میں لیا۔ تاریخ ان بیگمات کے ہندوانہ ناموں کی وضاحت کرنے سے قاصر ہے البتہ ان کے اسلامی نام معلوم ہو سکتے ہیں بیگمات اور ان کی اولاد کی تفصیل یہ ہے :-

مزمّل علی کلغان
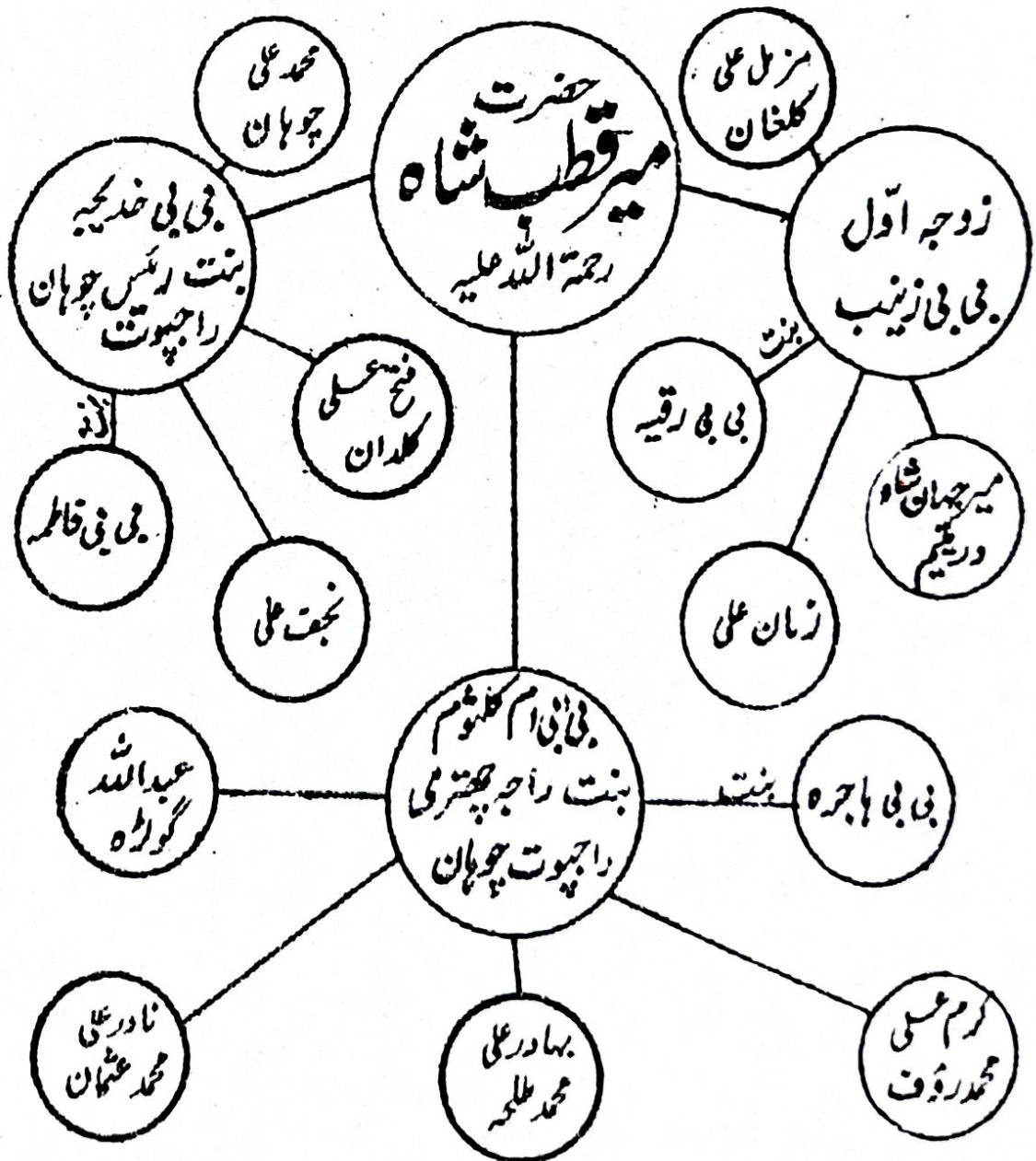
حضرت میر قطب شاہ کے بڑے فرزند ارجمند کا نام مزمّل علی اور لقب کلغان ہے۔
ان کی والدہ مکرمہ کا نام بی بی زینب ہے یہ ہندوستان کے ایک مقتدر راجپوت خاندان کی دختر فرخندہ اختر تھیں۔ مزمّل علی کے دو حقیقی بھائی دُرِ یتیم اور زمان علی تھے اور ان کی ایک حقیقی ہمشیرہ بی بی رقیبہ تھیں۔ انہوں نے کفّار کے ساتھ متعدد جنگیں لڑیں۔ ان کو کلغان اس لئے کہتے ہیں کہ ہر وقت اپنی دستار میں کلغی لگائے رکھتے تھے۔ اعوانوں کے اکثر نسب ناموں میں کلغان کے علاوہ کلگان۔ کلغان۔ گلغن وغیرہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں بہر حال یہ ایک ہی شخص کے متعدد خطابات ہیں۔ ان میں قرین قیاس کلغان ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آپ اپنے سب بھائیوں میں بزرگی۔ علم و فضل۔ زہد و اتقا۔ بہادری و پامردی اور سیاست و تدبر میں فائق تر تھے۔ اس لئے تمام بھائی ان کو اپنا سرخیل سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے ان کی اولاد کو بھی ہر زمانہ میں سیادت و قیادت حاصل رہی ہے۔

مزمّل علی کلغان برلب دریائے سندھ کوہ ڈھنگوٹ (متصل کالا باغ) جاکر آباد ہوئے۔ کالا باغ کے اعوان ان ہی کی اولاد سے ہیں۔

جہان شاہ دُرِّ یتیم

آپ حضرت میر قطب شاہ کے دوسرے فرزند گرامی ہیں اور بی بی زینب کے بطن سے ہیں۔ آپ اپنے بھائی مزمّل علی سے چھوٹے تھے۔ جہان شاہ ان کا نام ہے آپ امیر خسرو اور شیخ سعدی شیرازی کے ہمعصر تھے۔

زمان علی

آپ حضرت قطب شاہ کے تیسرے فرزند تھے۔ چونکہ آپ کی زوجہ کھوکھر خاندان سے تھیں اس لئے ان کی اولاد کھوکھر یا کھرڑوتا کہلاتی ہے جب راجپوت خاندان کے اکثر افراد مسلمان ہوئے تو مسلمانوں میں دو فریق کھوکھر ہو گئے۔ یہ دونوں پہلو بہ پہلو آباد ہو گئے تو امتیاز کے لئے اعوان کھرڑوتا کہلانے لگے اور جہاں ان کی آبادی اکٹھی نہ تھی وہاں یہ امتیاز نہیں کیا گیا۔ "تاریخ انساب الاقوام" میں یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ کھوکھر راجپوت اور کھوکھر اعوان خلط ملط ہو گئے۔ یہ اعتراض بالکل بے بنیاد ہے۔ کیونکہ یہ تو جب ہوتا کہ راجپوت اپنے آپ کو کم رتبہ کی قوم سمجھتے وہ تو اپنے آپ کو ایک معزز قوم سمجھتے ہیں۔ نہ نومسلمان ہو کر بھی اپنی قوم کو دوسری نومسلم اقوام کی طرح شیخ نہیں بتلاتے تو انہیں اعوانوں میں خلط ملط ہونے کی کیا ضرورت تھی۔

محمد علی چوہان

آپ حضرت میر قطب شاہ کے چوتھے بیٹے ہیں۔ بی بی خدیجہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ بی بی خدیجہ راجپوت چوہان خاندان کے ایک راجہ کی بیٹی تھیں۔ ان کی اولاد چوہان اعوان کہلاتی ہے۔ ان کی ایک حقیقی ہمشیرہ بھی تھیں جن کا نام فاطمہ تھا۔

نجف علی چوہان

آپ حضرت میر قطب شاہ کے پانچویں بیٹے ہیں۔ بی بی خدیجہ کے بطن سے پیدا ہوئے ان کی اولاد بھی چوہان گوت کے اعوان کہلاتی ہے۔

کرم علی چوہان

آپ حضرت میر قطب شاہ کے چھٹے فرزند ہیں۔ ان کی والدہ کا نام بی بی ام کلثوم لکھا ہے۔ آپ ایک چھتری راجپوت راجہ کی بیٹی تھیں، جو مسلمان ہو کر حضرت ممدوح کے عقد میں آئیں۔ ان کے بطن سے تین بیٹے اور ایک دختر پیدا ہوئی۔ ان میں سب سے بڑے کرم علی ہیں۔ جنہیں محمد رؤف بھی کہتے ہیں۔

بہادر علی محمد طلحہ

آپ حضرت میر قطب شاہ کے ساتویں فرزند ہیں۔ آپ کی پیدائش قصبہ تلہ گنگ (کیمبل پور) میں ہوئی۔ اسی مناسبت سے آپ طلحہ کے نام سے منسوب ہیں۔ اس قصبہ کا اصل نام طلحہ تھا۔ اہل ہند نے محض صوتی مناسبت سے تلہ کہا ہوگا کیونکہ ہندی زبان میں ط اور ت کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔

ایک زمانہ میں قصبہ تلہ گنگ کو اعوانوں کی وطنیت کے باعث کافی اہمیت حاصل رہی آجکل بھی اس قصبہ اور اس کے گرد و نواح میں اعوان قوم کثرت سے آباد ہے۔ شیخ ابوالفضل نے "آئین اکبری" میں اس قصبہ کو "اعوان محل" کے نام سے یاد کیا ہے

نادر علی محمد عثمان

آپ حضرت میر قطب شاہ کے آٹھویں فرزند ہیں۔ آپ بھی بی بی ام کلثوم کے بطن سے پیدا ہوئے۔

عبداللہ گولڑہ

آپ حضرت میر قطب شاہ کے نویں فرزند ہیں اور بی بی ام کلثوم کے بطن سے ہیں۔ نسب ناموں میں ان کے مختلف نام مثلاً گوہر علی۔ گورڑا، گوہر شاہ وغیرہ لکھے

ہوئے ہیں ۔

ان کا قیام علاقہ سون سکیسر میں رہا۔ سون سکیسر کے اعوان ان ہی کی اولاد سے ہیں ۔ جو سڑک خوشاب سے سکیسر کی طرف جاتی ہے اس سڑک سے متصل علاقہ سون سکیسر کی سرحد پر ایک مقام بنام گولڑا مشہور ہے ۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس جگہ بابا گولڑا نے چند ایام گذارے تھے ۔ اس جگہ اعوانوں نے پتھروں کا ایک ڈھیر جمع کر دیا ہے ، تاکہ بابا گولڑا کا مقام گزرگاہ یادگار رہے ۔ آجکل بھی پتھروں کا ڈھیر موجود ہے ۔ علاقہ پکھڑ دمیانوالی ، کیمبل پور ، کے اعوان بھی بابا گولڑا کی اولاد میں سے ہیں ۔ راولپنڈی سے متصل ایک قصبہ گولڑا واقع ہے جہاں عصرِ حاضر کے ایک بہت بڑے متبحر عالم اور صوفی حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز کا مزار ہے ۔ یہ قصبہ بابا گولڑہ کے نام سے منسوب ہے اور اس قصبہ میں بابا گولڑہ کی اولاد بکثرت آباد ہے ۔

سید سالار مسعود غازی

آپ حضرت میر قطب شاہؒ کے برادر اکبر حضرت امیر ساہو سالار (جو دولت غزنویہ کی طرف سے لاہور میں نائب السلطنت کے منصب جلیلہ پر فائز رہے) کے فرزند دلبند ہیں۔ آپ کے سوانح زندگی کے متعلق پروفیسر محمد مطیع الرحمٰن صاحب شعبہ اردو پٹنہ یونیورسٹی نے ایک محققانہ مقالہ سپرد قلم کیا ہے۔ جو بھارت اور پاکستان کے اخبارات اور رسائل میں شائع ہو کر خراجِ تحسین وصول کر چکا ہے۔ مقالہ کی اہمیت و افادیت کے پیشِ نظر اسے مؤقر ہفت روزہ "چٹان" لاہور مجریہ ۱۸ر جولائی ۱۹۵۵ء سے نقل کر کے ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

"ہندوستان میں شہیدوں کے سردار حضرت سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کا مدفن پاک بھڑائچ شریف ہے۔ آپ عام طور پر غازی میاں کے نام سے مشہور ہیں بہت سے علاقوں میں آپ کو بالے میاں اور بالے پیر کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے طول و عرض میں آپ کی یاد منائی جاتی ہے۔ آپ کے نام کے علم نکلتے ہیں۔ جس میں کمال عقیدت اور بے پناہ جوش و خروش کا اظہار کیا جاتا ہے۔ آپ کا دربار فیض اور روحانیت کا بہت بڑا سرچشمہ ہے اور ہر سال لاکھوں انسان مذہب و ملت کی تخصیص کے بغیر اس دریائے فیض سے سیراب ہوتے ہیں۔ بلکہ غیر مسلموں کی عقیدت

اور ان کے کثیر اجتماع کے لحاظ سے آپ کا دربار ہندوستان میں ایک واحد
مثال ہے۔

حضرت سید سالارؒ کا شمار ہندوستان کے ان چند اولین شہداء میں ہے
جنھوں نے سسکتی ہوئی انسانیت کو ظلم و ستم سے نجات دلانے کے لئے تلوار
اٹھائی تھی۔ اور جو مظلوم کی حمایت اور حق و صداقت کی راہ میں قربان ہو گئے۔
ہندوستان میں امن و چین اور شانتی کا پیغام لانے والوں میں سید صاحب کو
اولیت حاصل ہے۔ ہندوستان میں اسلامی حکومت کے قیام سے پونے دو
سو سال پہلے سید صاحب بھرائچ میں شہید ہوئے۔"

اولیّت

باہر سے آنے والے مسلمان بزرگوں میں لاہور کے حضرت شیخ ابوالحسن ہجویری داتا
گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو اولیت کا درجہ دیا جاتا ہے۔ آپ کی تاریخ پیدائش ابھی تک متعین
نہیں کی جاسکتی ہے۔ آپ کے ورودِ ہندوستان کے سال کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ آپ کا
زمانہ سنہ ۴۰۰ھ یا سنہ ۴۶۵ھ تسلیم کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ سنہ ۴۲۸ھ یا سنہ ۴۳۸ھ میں
ہندوستان تشریف لائے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت داتا گنج بخش کی ذات جامع کمالات تھی
اور آپ کے متعلق حضرت خواجہ بزرگؒ کا یہ شعر مشہور ہے ؎

گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

لیکن ہندوستان میں حضرت داتا کی تشریف آوری سے تقریباً چودہ سال قبل حضرت

سید سالار اپنا مشن پورا کر کے ۴۲۴ھ میں شہید ہو چکے تھے۔

حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ حضرت سید سالار کی شہادت سے ۴۶ سال بعد ۴۷۰ھ میں گیلان میں پیدا ہوئے۔ اور سلطان العارفین حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی سید صاحب کی شہادت سے ۱۱۳ سال بعد سجستان میں ۵۳۷ھ میں پیدا ہوئے۔ اور شہر اجمیر شریف میں جہاں ۲۲۸ سال قبل سید صاحب کی ولادت ہوئی تھی وہیں حضرت خواجہ نے ۶۳۳ھ میں وفات پائی۔ اس طرح حضرت سید سالار کو سرزمین ہند میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔

والدین اور پیدائش

حضرت سید سالار مسعود غازی کا سلسلۂ نسب دس واسطوں سے جناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے آپ حضرت امام محمد حنیف کی اولاد میں ہیں۔ آپ کے والد کا نام حضرت سید ساہو سالار غازی ہے۔ حضرت سید ساہو سالار سلطان محمود غزنوی کی فوج کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے۔ سلطان محمود غزنوی کی فوج کے اکثر و بیشتر جنرل سادات تھے اور ان سب کے امیر اور سربراہ حضرت سید ساہو سالار تھے۔ سلطان، حضرت سید ساہو سالار سے بہت متاثر تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی بہن کی شادی ان سے کر دی تھی اور انہیں امیر لشکر مقرر کیا تھا۔ حضرت سید ساہو سالار کا مزار قصبہ منترکھ ضلع بارہ بنکی میں ہے جو بارہ بنکی شہر سے پانچ میل کے فاصلہ پر پختہ سڑک کے کنارے واقع ہے۔

حضرت سید ساہو مسعود غازی سلطان غزنوی کے بھانجہ ہیں۔ والدہ کا نام ستر معلی تھا۔ آپ ۲۱ رجب المرجب ۴۰۵ھ مطابق ۱۰۵۱ء اتوار کے دن صبح صادق کے وقت اجمیر شریف

میں پیدا ہوئے۔ بعض لوگ تاریخ ولادت ۲۱ شعبان بھی لکھتے ہیں لیکن اتفاق ۲۱ رجب ہے اور ۱۸ سال ۱۱ مہینہ ۲۴ روز کی عمر میں ۱۴ رجب المرجب ۴۲۴ھ مطابق ۱۰۳۳ء اتوار کے دن عصر کے وقت بہرائچ صوبہ اودھ میں شہید ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ شق القمر کو ہندوستان کے کسی راجہ نے دیکھا تھا اور اس عظیم واقعہ سے دلچسپی لی تھی۔ اس نے کاہنوں اور نجومیوں کی مدد سے رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا پتہ چلایا اور پھر رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک وفد بھی بھیجا اور آپ کو ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ آپ نے فرمایا کہ ہم میں سے کوئی جائے گا۔ چنانچہ اکثر و بیشتر لوگوں کا خیال ہے کہ ہندوستانی وفد کو رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کے ہندوستان جانے کی بشارت دی تھی وہ سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات ہے کیونکہ غریبوں اور مظلوموں کی حمایت میں آواز بلند کرنے والے مجاہدین میں آپ کو اوّلیت حاصل ہے۔

معجزہ شق القمر اور ہندوستان

معجزہ شق القمر اور ہندوستانی وفد کی روایت بہت سے قدیم تذکروں میں ملتی ہے راجہ کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ راجپوتانہ کا راجہ بھوج تھا اور زیادہ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ مالا بار کا راجہ زیمور سامری تھا۔ زیمور خود بھی رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے وفد میں شامل تھا۔ لیکن مکہ معظمہ میں پہنچنے سے پہلے ہی سرزمین عرب میں مر گیا۔ مرنے سے پہلے اس نے اپنے جانشین کے نام مسلمانوں کو ضروری مراعات دینے اور ان کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کرنے کے لئے خط لکھ دیا تھا۔ چنانچہ اس خط

وجہ سے عرب مسلمان مالابار کے ساحل پر آباد ہوئے اور ان کی نوآبادیاں قائم ہوئیں اب تک ٹراونکور دربار میں مہاراجہ کی تخت نشینی کے وقت زیمور سامری کے اس وفد کا تذکرہ کیا جاتا تھا اور مہاراجہ حلف لیتے تھے کہ جب تک میرا چچا زیمور سامری جو عرب گیا ہے واپس نہیں آتا ہے۔ اس کی تلوار اور اس کا تخت بطور امانت میرے پاس محفوظ رہے گا۔ اکرام صاحب نے اپنی کتاب "چشمہ کوثر" میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ قیام عرب کے زمانہ میں وفد کے ایک ہندو ممبر مسلمان ہو گئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی درازئ عمر کی دعا کی تھی۔ وہ حاجی رتن بابا کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور کئی سو سال تک زندہ رہے۔ بہرکیف حضرت سید سالار کی شہادت سے چار سال قبل سلطان محمود کا ۱۰۳۰ء میں غزنی میں انتقال ہو چکا تھا۔ پنجاب میں خاندان غزنویہ کی حکومت قائم تھی اور سلطان محمود کا بیٹا سلطان مسعود حکمران تھا۔ بہت سے مورخین کو سلطان مسعود کے نام سے بڑی غلط فہمی ہوئی ہے اور انہوں نے سلطان مسعود اور حضرت سید سالار مسعود غازی کے واقعات کو خلط ملط کر دیا ہے۔

سلطان مسعود، سید سالار مسعود غازی صاحب کا ماموں زاد بھائی تھا اور دونوں ایک ہی زمانے میں تھے۔ ورنہ دونوں کی زندگی میں بہت بڑا فرق ہے۔"

ہندوستان کی حالت

گیارھویں صدی عیسوی کی ابتدا میں ہندوستان کی حالت بہت نازک تھی۔ پورا ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ اور یہ ریاستیں ہمیشہ آپس میں دست و گریباں رہا کرتی تھیں ظلم و ستم اور جبر و تشدد کا بازار گرم تھا۔ سیاسی لامرکزیت اور

طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ غریب اور کمزور کی کوئی آواز نہ تھی۔ انصاف کا نام و نشان
نہ تھا۔ راجے مہاراجے اپنے عیش و آرام کے لئے انسانیت سوز مظالم کے عادی بن چکے تھے
اچھوتوں کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کیا جاتا تھا۔ ہندوستان نے سری کرشن کی تحریک
اور سری گوتم کی تعلیم کو بھلا دیا تھا۔ اس وقت ہندوستان میں اور روحانی طاقتوں کا
فقدان تھا۔ راجاؤں کی متحدہ طاقت بھی بیرونی حملہ آوروں کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔ اور نہ
اس وقت کوئی ایسی روحانی طاقت تھی جو انسان کو اخوت، مساوات ہمدردی اور انصاف
کا سبق پڑھا سکے۔ شمع گوتم محفل اغیار میں جل رہی تھی اور برہمن مے پندار میں سرشار تھا
ہندوستان کے مظلوم باشندوں کو کسی کرشن اور کسی گوتم کی تلاش تھی۔ ایسے ہی وقت
میں اسلام ہندوستان میں داخل ہوا۔ اور عوام نے اُسے اپنے لئے رحمت سمجھا۔ چنانچہ
سلطان محمود کے معرکوں میں ہندوستانی راجاؤں کو برہمنوں اور راجپوتوں کے سوا
عوام کی مطلق ہمدردی حاصل نہ تھی اور ان کی پے در پے شکست کی ایک وجہ یہ
بھی تھی۔ سلطان محمود کے انتقال کے بعد ہندوستانی راجے اور بھی مطلق العنان بن گئے
اس وقت حضرت سید سالار ساہو سالار گوشہ نشین ہو چکے تھے لیکن سید سالار مسعود غازی
کی توجہ جن کی عمر اس وقت چودہ پندرہ سال کی تھی غریبوں اور مظلوموں کی زبوں حالی
کی طرف مبذول ہوئی۔ اس وقت نہ خزانہ شاہی پاس تھا اور نہ افواج سلطانی ساتھ
تھیں۔ چاروں طرف ان ہی راجاؤں کی حکومتیں تھیں۔ سید صاحب کو نہ مال غنیمت
کی ہوس تھی اور نہ کشور کشائی کا خیال تھا۔ لیکن رحمتِ الٰہی جوش میں آچکی تھی۔ رسول پاک
صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے پورا ہونے کا وقت آچکا تھا۔ چنانچہ سید صاحب
نے اپنی بے سرو سامانی کے باوجود "شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن" کے مصداق

ان ظلم و ستم کے خلاف تلوار اٹھائی۔ اس معرکہ میں وہ خود شہید ہوگئے لیکن ان کا مقصد حل ہو گیا۔ عوام کو ظلم و ستم سے نجات مل گئی اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی عوام اپنے محسن اعظم کو نہیں بھول سکے ہیں۔

راجہ سہیل دیو

جس زمانہ میں حضرت سید سالار مسعود غازی ستر کھ ضلع بارہ بنکی میں مقیم تھے۔ ان دنوں بہرائچ میں بھر قوم آباد تھی۔ بھر ایک قبائلی قوم کا نام ہے اور یہ کول۔ بھیل۔ سنتھال۔ ناگا وغیرہ قبائلی قوموں کی طرح ہندوستان کے قدیم باشندوں کی اولاد تھی اور عرصہ سے نیپال کی ترائی میں آباد تھی۔ ہندو اور بدھ مذہب سے اس قوم کا کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ قوم آفتاب پرست تھی۔ اس وقت بھر قوم کا راجہ سہیل دیو حکمران تھا اور نیپال ترائی میں اس کی ایک وسیع حکومت قائم تھی۔ ہندوستان کے دوسرے راجاؤں کی طرح سہیل دیو بھی ظلم و ستم کا عادی تھا۔ چنانچہ ایک بار راجہ کے آدمی بہت سے غریب ہندوؤں کی گائیں چھین لے گئے۔ اس دن سید صاحب جنگل میں شکار کھیل رہے تھے ان چرواہوں نے سید صاحب سے اپنی مصیبت بیان کی۔ سیّد صاحب اسی وقت ان چرواہوں کے ساتھ بہرائچ آئے۔ جہاں راجہ سے جنگ شروع ہو گئی۔ گھمسان کا رن پڑا۔ کئی دنوں تک جنگ جاری رہی سید صاحب کے ساتھ محض تھوڑے سے مجاہدین تھے۔ لیکن مقامی باشندوں کی ہمدردی سید صاحب کے ساتھ تھی۔ راجہ کو پے در پے شکستیں ہوئیں اور اس کی قوت زائل ہوگئی۔ لیکن ۱۴ رجب المرجب ۴۲۴ھ اتوار کے دن عصر کے وقت ایک تیر سید صاحب کی گردن میں آلگا اور کلمۂ طیبہ

پڑھتے ہوئے حضرت سکندر دیوانہ کی گود میں شہید ہوئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

کہا جاتا ہے کہ سید صاحب کی شہادت کے ساتھ ساتھ آپ کے ہمراہی شہید ہو چکے تھے اور کوئی مسلمان وہاں موجود نہیں تھا اس لئے آپ کی نعش دو دن تک بے گور و کفن پڑی رہی۔ دو دنوں کے بعد آپ کے چچا سر خود سالار تشریف لائے اور آپ کی تجہیز و تکفین کے بعد خود بھی شہید ہو گئے۔

سید صاحب کی شہادت کے بعد ہندوؤں نے انہیں رحمت کا فرشتہ اور ایک دیوتا سمجھ کر ہر سال ان کی شہادت کی تاریخ کے موقع پر میلہ لگانا شروع کیا۔ سید صاحب نے ان غریبوں اور مظلوموں کے لئے جس ایثار اور قربانی کا ثبوت دیا تھا اس کے پیش نظر ہندوؤں کا اس محسن اعظم کو بھول جانا ممکن نہ تھا۔ آپ کی شہادت کو ساڑھے نو سو سال ہو رہے ہیں لیکن آپ کی ذات سے ہندوؤں کی عقیدت میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا ہے۔

میلہ میں تقریباً ایک لاکھ انسانوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ جس میں ۷۰ ہزار کے قریب ہندو ہوتے ہیں۔ اور ہندو جس عقیدت اور نیازمندی کا اظہار کرتے ہیں وہ مسلمانوں کے لئے ممکن نہیں "۔

جنگ ہائے اعوان

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

(اقبالؔ)

جب اعوانوں نے کوہستانِ نمک میں اقامت اختیار کی تو یہاں ہندو راجاؤں نے خلق خدا پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا اعوانوں نے بے کس و بے بس انسانوں کو ان کے چنگل استبداد سے نجات دلانے کے لئے کفار نا ہنجار سے نبرد آزمائی کی۔ اور اپنی ازلی شجاعت و بسالت کے طفیل ان کو پے در پے شکستیں دیں۔ اس اجمال کی تفصیل کیلئے ذیل میں "مناقب سلطانی" سے ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے:۔

"اعوانوں نے کالا باغ پر قبضہ کر کے دریائے اٹک کے مشرقی کنارے کا ارادہ کیا۔ مشرقی کوہستان کے ہندو راجاؤں نے (جو کھوکھر۔ چوہان اور جنجوعہ اقوام میں سے تھے) مختلف ریاستیں قائم کر کے مضبوط قلعے بنا رکھے تھے۔ ان ریاستوں کا حدود اربعہ یہ ہے:۔

مشرق کوہستان نمک (کوہ پچھڑ۔ کوہ سکیسر۔ کوہ کھون۔ کوہ تاوہار۔ کوہ بتاؤ) مغرب دریائے جہلم تک۔ شمال علاقہ دھنی پھوار۔ جنوب علاقہ ریگستان

یعنی چولستان۔

اعوانوں نے ان راجاؤں سے لڑنا شروع کیا تھوڑے ہی عرصے میں ان راجاؤں کو تہ تیغ کر کے سلسلۂ کوہستان نمک پر قبضہ کر لیا۔ اب تک ان ہندو راجاؤں کے وقت کی سخت پتھر کی بنی ہوئی عمارتیں۔ قلعے۔ بت خانے۔ دیوان خانے کچہریاں مع چھت کھڑی ہیں۔ جواب بھی بیٹھنے کے قابل ہیں۔ کوہ سکیسر میں انب کوٹ نہایت عالی شان قلعہ ہے جو ایک بلند اور سخت پہاڑ کے پاس بنا ہوا ہے۔ ایک طرف سر بفلک پہاڑ اور دوسری طرف پتھر کا قلعہ ہے۔ جس کے پتھر کی ہر ایک اینٹ یا سل پانچ گز مربعہ ہے۔ عوام حیران ہیں کہ یہ سلیں کس طرح اوپر جا کر دیواریں بنائی ہوں گی۔ اس طرح پتھر کے بنے ہوئے عبادت خانے۔ بت خانے سالم کھڑے ہیں۔ اور عمارتوں کے کھنڈرات پائے جاتے ہیں سلسلۂ کوہستان کے دامن میں نمک کی کانیں بکثرت ہیں۔ یعنی کالا باغ۔ کھیوڑہ۔ وڑچھا۔ نلی ناڑی کھٹا میں نمک کی کانیں ہیں۔ اعوانوں کے مختلف قبیلوں نے جو نہایت دیندار مسلمان ہیں اپنے الگ گاؤں اور شہر آباد کئے ہیں۔ اس علاقہ کا نام ہی "اعوان قاری" پڑ گیا۔

ہندو راجاؤں کی نسل کے بقیہ کو اس علاقے سے نکال دیا" [1]

"جغرافیہ ضلع شاہ پور" مرتبہ مسٹر جیا رام میں لکھا ہے:۔

"اعوان بڑے بہادر ہیں۔ جنجوعوں سے ان کے بڑے معرکے رہے۔ ان

---

[1] مناقب سلطانی از حضرت سلطان حامد قادری سروری صـ ۷۶

کے مزاج میں لڑاکا پن بہت ہے اس طرح ٹوانوں سے بھی ان کے بڑے بڑے معرکے ہوئے ہیں۔ کل پہاڑی علاقہ جنجوعوں کا تھا۔ اعوانوں نے زور پکڑا انہیں زیر کیا اور ان کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ آج کل پہاڑ کا جو علاقہ ضلع شاہ پور میں ہے۔ ان ہی اعوانوں کا ہے۔"

اعوان قوم کے اخلاق وعادات

حضرت مولانا سلطان حامدؒ قادری سروری نے حضرت زبدۃ العارفین سلطان السالکین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات بنام "مناقب سلطانی" لکھے ہیں۔ چونکہ حضرت باہو سلطان اعوان قوم کے چشم و چراغ تھے اس لئے مؤلف "مناقب سلطانی" نے آپ کے حالات بیان کرنے سے پہلے آپ کی قوم (اعوان) کی تاریخ بیان کی ہے۔ واضح رہے کہ یہ کتاب مستطاب آج سے تقریباً ایک سو سال قبل لکھی گئی ہے۔ اس میں فاضل مؤلف اعوان قوم کے اخلاق وعادات کے متعلق اپنے چشم دید حالات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

"اعوانوں کے قبیلوں میں اپنے ہاشمی اور علوی نسب کے خصائل اور فضائل کی بعض علامتیں اب تک پائی جاتی ہیں۔ یعنی تمام مرد اور عورتیں سخی، بہادر، صاحب حیا۔ صاحب وفا۔ دیانتدار۔ امین عہد کے پکے۔ بامروت۔ مہمان نواز۔ خیرات و خرچ کرنے والے ہیں۔ گویا اپنا گوشت پوست بھی مہمان اور مسکین کے لئے خرچ کر ڈالتے ہیں۔ وہ اپنا سارا مال مذکورہ بالا اخلاق وفضائل میں خرچ کر دیتے ہیں۔ اس علاقہ (اعوان قاری) میں دینداری اور پرہیزگاری کا بڑا چرچا ہے۔ حرام کا یہاں مطلق رواج نہیں۔ بدعتیوں اور بدنیتوں کو اپنے ملک میں ٹھہرانا تو درکنار داخل ہی نہیں ہونے دیتے بلکہ

ان پر سختی کر کے جہاں تک ہو سکے ان سے توبہ کراتے ہیں۔ حتیٰ کہ کوئی نشہ کرنے والا۔ رنڈیاں۔ ہیجڑے۔ رافضی وغیرہ اب تک اس علاقے میں کوئی نہیں اور نہ وہاں رہنے پاتے ہیں۔ وہاں کے باشندے مسجدوں۔ طالب علموں۔ قرآن مجید کے حافظوں اور مسافروں کی ایسی خدمت کرتے ہیں کہ ملک ہند میں اور کہیں نہیں کی جاتی۔ اس گئے گذرے آخری زمانے میں بھی اس علاقے میں ہزارہا آدمی صالح۔ متقی اور دیندار ہیں اور یہ مردم خیز علاقہ ہے۔ کہ کوئی شہر اور قصبہ ایسا نہیں جس میں صاحب اثر وہدایت اور صاحب دل باطن آدمی نہ ہوں۔ ہزارہا آدمی حافظ قرآن۔ شب بیدار اور تہجد خواں ہیں۔ ہر مسجد میں کلام اللہ شریف اور حدیث کا درس جاری رہتا ہے۔ ماہ رمضان میں دن کے وقت کھانا پینا ممکن ہی نہیں ''[1]

مسٹر رابنس سابق سپرنٹنڈنٹ مردم شماری پنجاب۔ اپنی رپورٹ مردم شماری بابت ۱۸۸۱ء میں لکھتا ہے:۔

''اعوان لوگ کشادہ پیشانی وخوش خلق ہوتے ہیں، کینہ توز بھی ہیں اور قومی جھگڑوں کو مدتوں تک نہیں بھولتے اور بدلہ لے کر چھوڑتے ہیں۔ ان کی پارٹیاں جدا جدا ہیں۔ اپنی اپنی پارٹیوں سے متحد ہوتے ہیں۔ اعوان جسہ کے قوی اور کھلے اعضا کے ہوتے ہیں۔ زراعت میں جفاکش ہوتے ہیں۔ جٹ ہلدیوں سے بالکل علیحدہ ہیں۔ یہ بالکل زراعتی گروہ ہے ''

فقرائے اعوان

صوفیائے کرام کے تمام سلاسل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسلک ہیں ۔
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی روحانی جانشینی حضرت امام حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا کی تھی ۔ حضرت میر قطب شاہ صرف غازی اور مجاہد نہیں تھے بلکہ عالم ۔ فاضل ۔ زاہد اور متقی بھی تھے ۔ آپ کی تبلیغ سے ہزارہا گمراہ صراطِ مستقیم پر فائز المرام ہوئے ۔ آپ کے برادر زادہ سید سالار مسعود غازی جب تک بقیدِ حیات رہے تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کرتے رہے ۔ اور اشاعت اسلام کی پاداش میں شہادت پائی ۔ بہرائچ میں ان کا مزار مرجع خاص و عام ہے ۔ حضرت قدوۃ الصالحین زبدۃ العارفین باہو سلطان رح کا نام نامی واسم گرامی کسی تعارف کا نیاز مند نہیں ۔ آپ کا شمار برِ عظیم پاک و ہند کے ممتاز اولیائے عظام میں ہوتا ہے ۔ آپ اعوان قوم کے مایۂ ناز بزرگ ہیں ۔ آپ کا مزار منور ضلع جھنگ میں شور کوٹ کے قریب ہے ۔

حضرت حافظ محمد عظیم وٹے پٹ بھی چرخِ اعوان کے درخشندہ کوکب ہیں ۔ آپ کا مزار دامن سکیسر بمقام نمل (میانوالی) ہے ۔ ان کا اصل وطن کھوڑی علاقہ سون سکیسر (شاہ پور) ہے آپ ایک کامل ولی اور صاحبِ کمال بزرگ تھے ۔ انہوں نے ساری عمر یادِ الٰہی اور خدمتِ خلق میں گذاری ۔ میانوالی سے تلہ گنگ کی طرف جو سڑک جاتی ہے ۔ راستے میں پہاڑ کے دامن میں ایک سڑک ڈھک کے نام سے مشہور ہے ۔ یہ سڑک

حافظ محمد عظیم نے شبانہ روز محنت ہائے عرق فشاں سے بنائی۔ اس لئے ان کو وٹے پٹ کہتے ہیں۔ ہندکو میں پتھر اکھیڑنے والے کو وٹے پٹ کہتے ہیں۔ امتداد زمانہ کے باوجود ان کا مزار اب تک فیضانِ باطن کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔

حضرت سلطان ابراہیم ساڑھی والا بھی اعوان خاندان کے روشن ستارہ ہیں۔ مزار موضع انب علاقہ سون سکیسر میں ہے۔

حضرت شاہ شیر محمد قادری ایک مشہور ولی اللہ گذرے ہیں آپ بھی اعوان خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ان کا مزار لدھیانہ میں ہے۔ شاہ یعقوب اعوان اور نصیر الدین اعوان بھی مشہور ولی اللہ گذرے ہیں۔ ان کے مزارات مضافات لدھیانہ میں ہیں۔

سرزمین کالاباغ

سرزمین کالاباغ کو اعوان قوم کا منشاء و مرکز کہا جاتا ہے کیونکہ یہاں سے چل کر اعوان قوم کے افراد دوسرے علاقوں میں آباد ہو گئے۔ اس لیے اگر اس سرزمین کی تاریخ نہ لکھی جائے تو تاریخ قوم اعوان تشنۂ تکمیل رہے گی۔ بدیں وجہ کالاباغ کی مختصر لیکن جامع تاریخ لکھی جاتی ہے۔

پس منظر

اس قصبہ کی بنیاد اعوان خاندان نے رکھی تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت میر قطب شاہ سرزمین پنجاب میں اسلامی فتح و نصرت کا پرچم لہرانے کے بعد عازم غزنی ہوئے تو آپ نے اپنے نو بیٹوں میں مختلف علاقے تقسیم کر دیئے۔ لیکن کتب تواریخ سے مختلف علاقوں پر صرف چھ بیٹوں کے تصرف کا پتہ چلتا ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

بڑے بیٹے مزمل علی کلگان کے حصے میں قلعہ ڈھنگوٹ[1] آیا۔

---

[1] یہ قلعہ موجودہ قصبہ کالاباغ سے جانب مشرق چار میل کے فاصلہ پر دریائے سندھ کے کنارے سربفلک پہاڑ پر واقع تھا۔ اگرچہ امتداد زمانہ نے اس کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا ہے لیکن اب بھی ان کھنڈرات سے قلعہ کی عظمت کا پتہ چلتا ہے قلعہ سے ملحق ایک تالاب موجود ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

جہان شاہ درنیم کے حصّے میں علاقہ چھوٹی نیلاب ۔ محمد علی چوہان کے حصّے میں قلعہ رہتاس ۔ زمان علی کھوکھر کے حصے میں علاقہ سر گودھا ۔ بہادر علی محمد طلحہ کے حصے میں اعوان محل (موجودہ قصبہ تلاگنگ) باقی عبداللہ گولڑہ کے حصّے میں سون سکیسر آیا ۔ مزمل علی کلگان نے قلعہ ڈھنگوٹ میں اقامت اختیار کی ۔

اس علاقہ کے گردونواح کے لوگ کلمۂ توحید سے یکسر ناآشنا تھے کوہ ڈھنگوٹ کے متصل کوہستان نمک میں ایک ہندو راجہ سلاگرہ نامی تھا ۔ جب اعوانوں نے اس علاقہ میں تبلیغ اسلام کا علم لہرایا تو یہاں کے مذہبی حلقوں میں بہت بے چینی پیدا ہو گئی اور عوام الناس نے راجہ کے دربار میں حاضر ہو کر فریاد کی کہ مسلمانوں کا ایک گروہ ہندوؤں کو مسلمان بنا رہا ہے ۔ اگر ان لوگوں کی جدوجہد جاری رہی تو کچھ عرصہ کے بعد ایک ہندو بھی اس علاقہ میں باقی نہیں رہے گا ۔ ان کا کچھ علاج ہونا چاہیئے چنانچہ راجہ نے اپنا لشکر بھیج کر انہیں اپنے علاقہ سے نکل جانے کا حکم دیا ۔ مجاہدین اسلام اس لشکر کے ساتھ نبرد آزما ہوئے اور اسے شکست دے کر راجہ کے قلعہ[1] تک پہنچ گئے اور قلعہ کی حفاظتی فوج کے ساتھ

---

[1] اگرچہ کوہ سلاگرہ پر آجکل یہ قلعہ منہدم ہو چکا ہے مگر اس کے مردہ سے آثار اب بھی موہوم صورت میں نظر آتے ہیں ۔ یہ قلعہ عوام میں راجہ کے بُرج (برج) کے نام سے مشہور ہے ۔ (شبیر محمد)

(نوٹ بقیہ صفحہ ۵۱) مولف جب کبھی اپنے اسلاف کے آثار دیکھنے کے لئے اس مقام پر جاتا ہے تو اپنی قوم کی عظمت رفتہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور بے ساختہ زبان پر ترجمان حقیقت کا یہ شعر جاری ہو جاتا ہے۔

ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

(شبیر محمد)

معرکہ آرا ہوئے۔ اور رائے شکست دے کر قلعہ پر قابض ہو گئے اور راجہ خود اس معرکۂ کشت و خون میں قتل ہو گیا۔ اب تک ان پہاڑوں میں مندروں اور قلعوں کے کھنڈرات ہندو راجاؤں کی عظیم الشان حکومت کا پتہ دے رہے ہیں۔ اعوانوں کے ایک سردار بدھے علی نے کوہ ڈھنگوٹ سے اتر کر دریائے سندھ کے کنارے کوہ سلاگر کے دامن میں موجودہ قصبہ کالاباغ کی بنیاد رکھی اور اعوان خاندان کے بقیہ افراد پنجاب کے دوسرے اضلاع میں جا کر آباد ہو گئے۔

کالاباغ کی وجہ تسمیہ

دریائے سندھ کے کنارے دور دور تک باغات ہی باغات تھے اور ان میں بیشمار درخت تھے۔ ان باغات کی آبپاشی دولاب دریائی کے ذریعے کی جاتی تھی۔ پانی کی فراوانی کے باعث باغات سرسبز و شاداب تھے۔ درختوں کے گنجان ہونے کی وجہ سے اس رقبہ میں ع

دن کو بھی یہاں شب کی سیاہی کا سماں ہے

کے مصداق اندھیرا معلوم ہوتا تھا۔ اور دریائے سندھ کے اُس پار یہ باغات کالے نظر آتے تھے۔ اس لئے اس قصبہ کا نام کالاباغ مشہور ہو گیا۔

انقلاباتِ دوّل اور کالاباغ

کالاباغ کے خاندان اعوان کے سردار اکبر اعظم کے زمانہ سے لے کر اورنگزیب عالمگیر کے زمانہ تک سلطنت مغلیہ کے باجگذار رہے مگر حقیقت میں یہ خود مختار والی ریاست

تھے۔ جب ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ ایران سے چل کر دہلی تک تمام ملک کو تاخت و تاراج کرتا ہوا چلا گیا تو فتح دہلی کے بعد یہ علاقہ شاہان خراسان کے زیر نگین آیا۔ نادر شاہ کے قتل ہونے پر اکتوبر ۱۷۴۷ء سے احمد شاہ ابدالی افغانستان کا بادشاہ ہوا تو یہ علاقہ اس کے قبضہ میں آیا۔ اس کی وفات پر تیمور شاہ سربر آرائے سلطنت ہوا۔ اس کی وفات کے بعد جب محمود شاہ، شاہ زمان اور شجاع الملک ایک دوسرے سے جنگ و جدال میں مصروف ہوئے اور سلطنتِ کابل کو کمال ضعف پہنچا۔ اس وقت سکھوں نے پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ اگرچہ کالاباغ سکھوں کے زیرِ تصرف تھا لیکن کالاباغ کے خاندان اعوان کے چیف کو والیان ریاست کی سی مراعات حاصل رہیں۔ اس اثنا میں انگریزی دور پنجاب میں ہر طرف شروع ہو گیا اور ۱۸۴۹ء میں کالاباغ کو انگریزی عملداری میں لے لیا گیا۔ اور نمک کی کانیں جو اعوانوں کے قبضہ میں تھیں۔ ان پر انگریزوں نے قبضہ جما لیا۔

موہن لال کشمیری نے اپنے سفر نامہ میں کالاباغ کے متعلق جو تاثرات قلم بند کئے ہیں ان کے مطالعہ سے کالاباغ کے متعلق متعدد تاریخی واقعات منکشف ہوتے ہیں۔

موہن لال کشمیری کی کالاباغ میں آمد کا قصہ یوں ہے کہ ۱۸۳۷ء میں لارڈ آک لینڈ نے جو تب ہندوستان کے وائسرائے تھے ایک تجارتی وفد کابل بھیجنے کا انتظام کیا۔ اس وفد کی قیادت کپتان الگزینڈر برنیز کے سپرد ہوئی یہ کپتان صاحب ان دنوں سندھ کے قصبہ حیدر آباد میں مقیم تھے۔ اور کچھ میں انگریز ریذیڈنٹ کے اسسٹنٹ تھے۔ وفد کے دیگر اراکین حسب ذیل تھے:۔

بمبئی انجینئرز کے رسالہ کے میجر لیچ لیفٹیننٹ وڈ۔ نوروزجی۔ فردون جی اور موہن لال کشمیری۔ بظاہر تو یہ وفد تجارت کے نام پر بھیجا جا رہا تھا لیکن حقیقی منشاء

سُراغ رسانی تھا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ جن علاقوں سے یہ وفد گزرے وہاں کی صورت حال سے آگاہی حاصل کی جائے۔ وفد نے کابل جانے کے لئے خیر پور۔ بہاول پور۔ کالاباغ اور اٹک کا راستہ اختیار کیا۔ جولائی کے وسط میں وفد کالاباغ پہنچا۔ موہن لال کشمیری بڑا سیاح تھا۔ وہ ایک ذہین مدبر اور ایک مشہور مصنف تھا وہ سب سے پہلا کشمیری تھا جس نے انگریزی زبان سیکھی۔

لاہور فارمن کرسچین کالج کے سابق پروفیسر مسٹر ہری رام گپتا نے اپنی کتاب "لائف اینڈ ورک آف موہن لال کشمیری" میں موہن لال کی خود نوشتہ تزک سے کچھ اقتباسات بھی نقل کیئے ہیں۔ اس کتاب کا پیش لفظ پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم بھارت نے لکھا ہے پنڈت نہرو نے موہن لال کے متعلق یہ رائے ظاہر کی ہے۔ کہ "ایسا شخص آزاد بھارت میں پیدا ہوتا اور وہیں کا شہری بنتا تو اسے بلند ترین سیاسی منصب حاصل ہو سکتا تھا" اس کتاب کے صفحہ ۱۰۳ پر مندرجہ ذیل سطور "کالاباغ کے حالات" کے عنوان سے درج ہیں:۔

"اراکینِ وفد نے چند روز بہاول پور میں قیام کیا۔ پھر کشتیوں کے ذریعے اُچ شریف کے قصبہ پہنچے جو مسلمانوں کی زیارت گاہ ہے۔ چاچڑاں شریف سے ذرا اُوپر جا کر پھر دریائے سندھ کا سفر شروع ہوا۔ مٹھن کوٹ پہنچے یہاں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے گماشتے وفد سے آملے۔ ڈیرہ غازی خان پہنچے یہاں سے ڈاکٹر لارڈ میجر لیچ اور موہن لال ملتان روانہ ہو گئے اور کچھ دن وہیں ٹھہرے ڈیرہ اسمٰعیل خان کے راستہ وسط جولائی میں کالاباغ پہنچے۔ یہاں میکسن بھی آ شامل ہوئے جو لدھیانہ سے آئے تھے۔ اور پشاور تک ہمراہ رہے موہن لال کی رائے میں کالاباغ کا منظر بیان کرنے کی زبان میں طاقت نہیں مکانات پتھر اور گارے سے تعمیر ہیں۔ بازار اتنے تنگ ہیں۔ کہ دو جوان شانہ بشانہ نہیں چل

سکتے۔ دوکانوں کی تعداد قریباً ۱۴ ہے۔ لیکن رات کو بند رہتی ہیں۔ اس علاقہ کا رئیس ملک الہ یار خان اعوان[1] ہے۔ اسے سالانہ آمدنی تنتیس ہزار روپیہ ہوتی ہے۔ وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو ہر برس دس ہزار روپیہ نذرانہ ادا کرتا ہے دوسو سوار اور اتنے ہی پیادہ سپاہی اس کی ملازمت میں رہتے ہیں۔ پھٹکڑی بنانے کے دس کارخانے کالاباغ اور دوسو کارخانے موچھ میں ہیں۔ جو دریائے سندھ کے دوسرے کنارے پر واقع ہے۔ ہر کارخانہ میں یومیہ چار روپے کا ایندھن خرچ ہوتا ہے۔ ایندھن کی لکڑی کچہ[2] سے آتی ہے۔ پھٹکڑی کے بڑے بڑے ڈلے تیار ہوتے ہیں۔ جن میں ہر ایک کا وزن دو من ہوتا ہے دو من پھٹکڑی کی قیمت صرف آٹھ آنے ہے۔ نمک کی کانوں سے بیس مقامات پر نمک نکالا جاتا ہے۔ ہر سال تین لاکھ روپیہ کا نمک برآمد ہوتا ہے۔ نصف رقم مزدوروں کا حصہ ہے۔ ایک تہائی رقم مقامی رئیس کو ملتی ہے بقیہ رقم مہاراجہ رنجیت سنگھ کے لئے ہے۔ نمک روپے کا چھ یا سات من بکتا ہے۔ تھوڑا ہی عرصہ گذرا ہے۔ کہ نمک کی کان کا اجارہ راجہ گلاب سنگھ کو دے دیا گیا ہے۔ اس علاقہ میں گندھک کی کانیں بھی ہیں۔ لیکن یہ بات رنجیت سنگھ کو نہیں بتائی گئی۔ مقامی رئیس یہ گندھک بارود بنانے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ باشندوں کی رنگت پیلی ہے۔ عام طور پر بخار کے مریض ہیں۔ قریباً نصف آبادی گل پھیڑ کی بیماری میں مبتلا ہے۔"

"تذکرہ رؤسائے پنجاب" میں مرقوم ہے۔ کہ کالاباغ یہاں کے اعوان ملکوں کا پشتوں

---

[1] آپ مؤلف اوراق ہذا کے جدِ امجد ملک نواب خان خلد آشیان کے برادر حقیقی تھے (شیر محمد)

[2] جس زمین کی دریا سے سیرابی ہوتی ہو اُسے ہند کو میں کچہ کہتے ہیں۔ جس کچہ کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ وہ کالاباغ سے مغرب کی جانب تین میل کے فاصلہ پر برلب دریا واقع ہے جو نوابصاحب آف کالاباغ کی ملکیت ہے۔ (شیر محمد)

سے وطن چلا آتا ہے۔ اور پنجاب کے اس حصہ میں جہاں یہ واقع ہے۔ اس کو ایک نہایت قدیم قصبہ کہنا غلط نہ ہوگا۔ اس قصبہ کی ہستی اس کے قرب و جوار کی مشہور کان ہائے نمک اور خاص قصبہ کے اندر پھٹکڑی کے بڑے بڑے کارخانوں کے سبب قائم ہے اور اس کی شہرت کا ایک سبب یہ بھی ہے۔ کہ دریائے سندھ کا وہ پتن (گذر یا گھاٹ) عین اسی قصبہ کے نیچے واقع ہے۔ جو پچاس میل تک دریا کے آر پار والوں کے لئے بیحد آسان گذرگاہ ہے اور اسی وجہ سے یہ بہت آمد و رفت کی جگہ ہے۔ پرانے زمانے میں جو قافلے اور فوجیں ہندوستان آتی تھیں کالاباغ ان کا بڑا پڑاؤ بن گیا تھا اس قصبہ کا خوبصورت موقع ایسی جگہ پر ہے۔ جہاں دریائے سندھ پہاڑوں سے نکل کر میدان میں داخل ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اعوان ملکوں کو یہاں آئے ہوئے تقریباً تین صدیاں ہوگئی ہیں۔ یہ پہلے پہل کوہ وانگ (ڈھنگوٹ) کی اس بنجر چٹان پر آباد ہوئے جو قدرتاً ایک مستحکم قلعہ کی شکل میں دریا سے اوپر کی طرف کالاباغ سے تھوڑے ہی فاصلہ پر تھی اور گرد و نواح کے باشندے کسی قومی دشمن کے آنے کا خوف ہونے کے وقت اس قدرتی حصار میں پناہ لیا کرتے تھے۔ بندے علی سب سے پہلا اعوان تھا جو یہاں آکر آباد ہوا۔ یہ نمک کی کانوں پر قبضہ کر کے اس علاقہ کا رئیس بن گیا۔ اور پتن پر اپنا تسلط کر کے نمک اور پھٹکڑی پر محصول لگا دیا۔ اور بھنگی خیل خٹکوں سے جو کالاباغ کے شمالی پہاڑوں پر آباد تھے خراج لیا۔ بندے علی کی وفات کے بعد گو اعوانوں کو دشمنوں کے ہاتھوں سے چند عارضی شکستیں بھی ملیں مگر یہ اپنے علاقہ میں جمے رہے۔ یہ اعوان بھی اپنے دیگر ہمسایوں کی طرح مدامی اضطراب کی حالت میں رہے ان کو اپنی ہستی قائم رکھنے کے لیے چاروں طرف کے دشمنوں سے لڑتے رہنا ضروری تھا اور ان لڑائیوں میں کبھی ——— ان کو فتح یابی نصیب ہوئی اور گاہے ان

کی حالت تباہی کے قریب پہنچ گئی مگر یہ سینہ سپر ہو کر کوشش کرتے گئے اور آہستہ آہستہ میدانوں میں اراضیات حاصل کر کے اپنے مواضعات آباد کئے۔

سترھویں صدی عیسوی کے آخیر میں تیمور شاہ نے محمد اعظم خان اعوان کو علاقہ کالا باغ کا رئیس تسلیم کیا۔ اور اس غرض سے کہ یہ کابل اور دہلی کی درمیانی سڑک کے اس حصہ کو جو اس کے علاقہ میں واقع ہے کھلا رکھے اُسے ۱۲۰۰۰ روپے سالانہ حق الخدمت دینا منظور کیا۔ جانشینان تیمور نے بھی اس کا یہ وظیفہ جاری رکھا جب ۱۸۲۲ء میں سکھوں نے یہ علاقہ اپنے ملک کے ساتھ شامل کر لیا تو ملک الہ یار خان یہاں کا رئیس تھا سکھوں نے اسے وصولی مالیہ کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اور قرار دیا کہ یہ مہاراجہ کو دو گھوڑے، گیارہ اونٹ، پانچ کتے۔ محصول نمک کی دو تہائی اور اراضیات واقع مسان کی (جن پر وہ قابض تھا) مالگذاری کا ۱/۵ حصہ بطور سالانہ خراج کے دیا کرے"

(اردو ترجمہ تذکرہ رؤسائے پنجاب جلد دوم مترجمہ سید نوازش علی صـ ۲۷۸)

سنہ ۱۸۶۳ء میں ملک الہ یار خان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے نواب ملک مظفر خان جانشین ہوئے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے نواب ملک عطا محمد خان جانشین ہوئے۔ سنہ ۱۹۲۴ء میں ان کی وفات کے بعد ان کے اکلوتے بیٹے ملک امیر محمد خان (نواب آف کالا باغ) جانشین ہوئے۔ آپ اعوانانِ پاکستان کے موجودہ چیف ہیں۔ آپ سنہ ۱۹۱۰ء میں کتم عدم سے عالم شہود میں آئے۔ آپ کے والد آپ کو صغیر سنی میں داغ مفارقت دے گئے۔ آپ کے زمانہ طفولیت میں آپ کی جائداد کا انتظام کورٹ آف وارڈس کے سپرد ہوا۔ آپ کی تعلیم و تربیت چیفس کالج لاہور میں ہوئی۔ آپ چیفس کالج سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اعلیٰ تعلیم کیلئے انگلینڈ چلے گئے وہاں سے تعلیم حاصل کرنیکے بعد مراجعت فرمائے وطن مالوف ہوئے اور سنہ ۱۹۳۳ء

میں اپنی جائداد کورٹ آف وارڈس سے سنبھال لی۔ اور اس کے انتظام و انصرام میں مشغول ہو گئے اور جدید طریق زراعت کو رائج کرنے کے علاوہ آپ نے اپنی زمینداری میں بہت سی مفید اصلاحات جاری کیں۔ اس سے نہ صرف آپ کی اپنی جائداد کو فائدہ پہنچا بلکہ مزارعین بھی خوش حال ہو گئے۔ آپ جامع صفات شخصیت ہیں۔ ایک شیر دل بےخوف انسان ہیں۔ شجاعانہ کارناموں اور مردانہ کھیلوں کے شائق ایک فیاض اور غریب پرور سردار، ایک صاف گو، صاف دل، سیاست دان۔ ایک بلند خیال صدق مقال مسلمان ہیں۔ آپ کی معلومات، تعلیمی قابلیت اور ذہانت زبان زد خلائق ہیں۔ آپ کی طبیعت اور عادات و خصائل بے حد سادہ و پسندیدہ ہیں۔ باوجود انگلینڈ ریٹرن ہونے کے دوسری منشیات کو منہ لگانا تو بجائے خود رہا آپ کی انگلیاں سگریٹ سے بھی ناآشنا ہیں۔ آپ نے حصول پاکستان کی جدوجہد میں جو خدمات سرانجام دی ہیں وہ تاریخ پاکستان میں جلی حروف سے لکھی جائیں گی ۱۹۴۶ء میں جب ضلع میانوالی کے تمام رؤساء یونینسٹ پارٹی کے ہمنوا ہو کر مطالبۂ پاکستان کی مخالفت کر رہے تھے تب آپ نے ضلع میانوالی میں پاکستان کا پرچم سربلند کیا۔ اور مسلم لیگ کے امیدواران اسمبلی کو کامیاب کرانے کے لئے درمے دامے قدمے سخنے امداد کی۔ جب مسلم لیگ نے برطانوی خطابات واپس کرنے کا فیصلہ کیا۔ تو آپ نے "عطائے تو بہ لقائے تو" کہہ کر خطابات واپس کر دیئے۔ آپ ۱۹۵۱ء میں پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ اور ۱۹۵۵ء میں پاکستان دستور ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ اور ۱۹۵۶ء میں مغربی پاکستان اسمبلی کے بلامقابلہ رکن منتخب ہوئے۔

پیش منظر

ماڑی انڈس ریلوے اسٹیشن سے آگے بڑی لائن کی گاڑی کے مسافر چھوٹی پٹڑی پر چلنے والی گاڑی میں منتقل ہوجاتے ہیں۔ اس چھوٹی پٹڑی پر ماڑی انڈس کا ایک عظیم پل دونوں کناروں کو ملائے ہوئے ہے۔ یہ پل فن تعمیر کا ایک نادر نمونہ ہے۔ بڑے بڑے طوفان اور سیلاب اسے اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکے۔ اس پل کے راستے کالاباغ کی تجارت دوسرے اضلاع سے جاری ہے۔ چھوٹی پٹڑی پر پہلا اسٹیشن کالاباغ ہے۔ اس قصبہ کی آبادی گیارہ ہزار کے قریب ہے۔ زراعت پیشہ خاندان صرف اعوانوں کا ہے۔ باقی سالم آبادی تاجروں، صنعت کاروں اور مزدوروں پر مشتمل ہے۔ یہاں سیکنڈ کلاس میونسپل کمیٹی ہے۔ اس کے زیرِ انصرام قصبہ میں ہائی سکول پرائمری سکول، گرلز سکول، سول ہسپتال اور ویٹرنیری ہسپتال وغیرہ ادارہ جات سرگرم عمل ہیں۔ شہر میں زیادہ تر مضبوط اور سستے چپل بنائے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ یہاں کے تیار شدہ پنکھوں اور لوہے کے ظروف کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہاں کا ایک کاریگر نہایت چابکدستی سے نمک کی صنعت کے اعلیٰ نمونے تیار کرتا ہے۔ جن کی مانگ امریکہ اور برطانیہ تک موجود ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ نمک کے ان حسین شاہکاروں کو پاکستان کے دوسرے حصوں میں بھی رکھا جائے۔ تاکہ عوام اپنے ملک کی اس ترقی پذیر صنعت سے بھی روشناس ہوسکیں۔ یہاں صدہا کھڈیاں ہیں۔ جن پر پارچہ باف طرح طرح کا کپڑا تیار کرتے ہیں۔ یہاں ایک خاص قسم کا کپڑا تیار ہوتا ہے۔ جس کی بکری سابق صوبہ سرحد میں زیادہ ہوتی ہے۔

نمک کی کانیں

کالاباغ کی معدنیات میں اولیت نمک کو حاصل ہے نمک کا وسیع سلسلہ کوہ موجود ہے۔اس پہاڑ سے سرکاری نگرانی میں نمک نکالا جارہا ہے۔کالاباغ کے نمک کی کانیں نمک کی نکاس کی مقدار کے اعتبار سے کھیوڑہ کی کانوں سے دوسرے درجے میں شمار کی جاتی ہیں۔کھیوڑہ کی کانوں میں کام زیادہ تر برقی آلات سے کیا جاتا ہے۔اور کالاباغ کی کانوں میں مزدور سارا کام اپنے ہاتھوں سے سرانجام دیتے ہیں۔کالاباغ کا نمک پاکستان کی دوسری تمام کانوں کے نمک سے عمدہ اور بہتر ہے۔ان کانوں سے حکومت کو لاکھوں روپے سالانہ کی بچت ہوتی ہے۔

دوسرے معدنی ذخائر

کالاباغ کو حسین معدنیاتی ذخیرہ گاہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔اونچے اونچے سنگلاخ ٹیلوں اور پتھریلے علاقہ کی اس سرزمین کے سینہ میں قدرت نے ایسی ایسی نعمتیں سمو دی ہیں جن سے اگر صحیح طور پر استفادہ کیا جائے۔تو پاکستان اس معدنیاتی دولت سے کروڑوں ڈالر کا غیر ملکی زرمبادلہ محفوظ کرنے کے علاوہ نئی نئی صنعتوں کو جنم دے سکتا ہے۔حال ہی میں لوہے کے ذخائر کے متعلق جرمن کے ماہرین نے رپورٹ پیش کردی ہے۔کہ کالاباغ کے پہاڑوں میں لوہا کافی وافی مقدار میں موجود ہے بلکہ یہاں تک بتادیا ہے کہ جرمنی کے لوہے سے کالاباغ کا لوہا بہتر قسم کا ہے۔ چناں چہ پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن نے لوہا نکالنے کا کام شروع کر

دیا ہے[1]۔ کالاباغ سے چند میل کے فاصلہ پر داؤد خیل کے مقام پر پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن نے سیمنٹ اور کھاد کے کارخانے قائم کر دیئے۔ کالاباغ سے متصل مکڑوال میں کوئلہ کی کانیں ہیں۔ جہاں سے روزانہ کافی مقدار میں کوئلہ برآمد کیا جاتا ہے۔ ان قدرتی عطیات کے علاوہ گرد و نواح میں بے شمار سلسلہ ہائے کوہ ایسے ہیں جن کی معدنیاتی دولت کے متعلق ابھی تک انکشافات نہیں ہوئے۔ کون جانتا ہے ــــــــــــ کہ ان سنگلاخ چٹانوں کے دامن میں کون سے خزانے پوشیدہ ہیں۔ نمک لوہا، جپسم اور کوئلہ کی کانوں سیمنٹ اور کھاد کے کارخانوں اور دوسری گوناگوں و بوقلمون خصوصیات کے باعث کالاباغ کو روزافزوں اہمیت حاصل ہوتی جا رہی ہے۔ اللّٰھم زد فزد ــ۔

قابلِ دید مقامات

دریائے سندھ کا باعظمت اور متلاطم ساحل بے برگ و گیاہ نمک کے عجیب و غریب پہاڑ جامع مسجد اور جدید انجینئری کا تازہ کارنامہ ریلوے پل قابل دید ہیں۔ شہر سے ذرا ہٹ کر نواب صاحب آف کالاباغ کی رفیع الشان کوٹھیاں ہیں جن میں باہر سے آنے والے مہمانوں

---

[1] فی الحال جن کانوں میں کام ہو رہا ہے ان میں سے "سکندرہ" نامی کان کا پس منظر کافی دلچسپ ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب سکندر اعظم فاتح کی حیثیت سے کالاباغ سے گذرا تو یہاں کے باشندوں نے اس کان کے لوہے سے بنی ہوئی تلوار اس کو پیش کی تھی۔ دوسری کان "ہاربرہ" کا نام جرمن کے مشہور فولادی کارخانہ کرپس کے انجینئروں نے کانوں کی دیوی کے نام پر رکھا ہے

(روزنامہ "امروز" لاہور مجریہ ۱۵ر جون ۱۹۵۶ء)

کے لیے ریسٹ ہاؤس بھی موجود ہیں ۔ یہ کوٹھیاں کاریگری کا اچھوتا نمونہ ہیں اور نصف حد تک دریائے سندھ میں ڈوبی ہوئی ہیں ۔

جناح بیراج

کالاباغ سے بمشکل پانچ میل کی مسافت پر جناح بیراج کا عظیم بند تعمیر کیا گیا ہے ۔اس بند نے تھل کے ریتلے اور بے آب وگیاہ علاقے کو سبزہ زاروں میں تبدیل کر دیا ہے ۔ جناح بیراج ایک میل کے قریب طویل اور دو منزلہ ہے ۔ عوام اور گاڑیوں کے گذرنے کے لئے پل پر پکی سڑک موجود ہے ۔ دریائے سندھ کی خوفناک لہروں کا شوریدہ سر پانی جب جناح بیراج کے آہنی دروازوں سے سر پٹکتا ہے ۔ تو بڑی خوف ناک آواز پیدا کرتا ہے ۔ بند کے نزدیک سیاحوں کے لئے بند کا مکمل نقشہ موجود ہے ۔ یہ نقشہ سیمنٹ سے بنایا گیا ہے ۔ جس میں بند کے ہر حصے کو جسے باآسانی دیکھا نہیں جا سکتا دکھایا ہے ۔

نقلی ہیروں کی پہاڑی

یہ پہاڑی ماڑی انڈس کے کنارے پر واقع ہے اس پہاڑی کے دامن میں ماڑی انڈس کا پرانا گاؤں ہے ۔ جہاں سے پرپیچ راستوں سے ہو کر پہاڑی پر پہنچنا ہوتا ہے ۔ پہاڑی پر جگہ جگہ بے شمار نقلی ہیرے (Quartz) بکھرے پڑے ہیں ۔ ان ہیروں کی تراش خراش قدرت کے ہاتھوں سرانجام پاتی ہے ۔ بسا اوقات نہایت باریک اور ہوا بھر ہیرا بھی اس حسن سے ترشا ہوا دستیاب ہوتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے ۔ کالاباغ آنے والے سیاح ان ہیروں کی جھولیاں بھر بھر کر ساتھ لے

جاتے ہیں ۔ اس پہاڑی پر بدھ مت کے معابد اس علاقہ پر بدھ مت کے پیروؤں کی حکمرانی کی غمازی کرتے ہیں ۔

مناظر

چونکہ یہ پرفضا اور نزہت افزا قصبہ دریائے سندھ کے کنارے پر واقع ہے ، اور بعض مکانات کی چھتیں اور نشستیں عین دریا کے اوپر ہیں ۔ اس لئے شام کو چراغاں کی جو بہار ہوتی ہے اس کا کیا کہنا ۔ چراغوں کا عکس دریا کی لہروں پر جو سماں پیدا کرتا ہے وہ دیکھنے کے قابل ہوتا ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے ستارے ٹوٹ کر دریا کی لہروں سے آنکھ مچولی کھیل رہے ہیں ۔

اگرچہ یہاں کی آب و ہوا انتہائی گرم خشک ہے ۔ مگر شام کا منظر دل افروز ہوتا ہے ۔ دریائے سندھ چونکہ پہاڑوں کی تنگ دامنی سے نکل کر اس مقام سے میدانی علاقہ کی بیکراں وسعتوں میں داخل ہوتا ہے ۔ اس لئے کشتی رانی آسان ہے ۔ شام کے وقت ملاح جب اپنی خوبصورت کشتیوں میں سیر و تفریح کے شیدائیوں کو سیر کراتے ہیں ۔ تو دریا کا منظر بہت روح پرور ہوتا ہے ۔

اس قصبہ کی تیرہ و تار چیستانی گلیاں ، مسقف کوچے ۔ گنجان اور ایک دوسرے کے اوپر نیچے اٹھتے ہوئے مکانات دیکھ کر سیّاح دل ہی دل میں الف لیلہ کے بغداد میں جا پہنچتا ہے ۔ الغرض ہم کالا باغ کو قدیم مشرقی تمدّن کا بہترین نمونہ اور ایشیائی تہذیب کی جیتی جاگتی تصویر کہہ سکتے ہیں ۔

موجودہ اعوان

گذشتہ اوراق میں آپ نے اپنے اسلاف کے حالات ملاحظہ فرمائے ہیں۔ ہمارے ان
اسلاف میں سے ہر فرد یگانۂ روزگار مبلغ اسلام تھا اور علوم متداولہ میں بہت بلند پایہ رکھتا
تھا ہمارے بزرگ کوہستان نمک کے دامن میں اقامت پذیر ہو گئے تھے اور پھر ادھر ادھر
ضرورت وقت اور حالات کے مطابق نقل مکانی کرتے رہے۔ آجکل مغربی پاکستان میں اس
قوم کے افراد کثیر تعداد میں آباد ہیں۔ تقسیم ہند سے قبل یہ قوم جب یو۔پی میں آباد تھی تو
تو وہاں علوی کہلاتی تھی۔ اور علم و فضل کی وجہ سے معزز سمجھی جاتی تھی۔

مغربی پاکستان میں اعوان قوم کے افراد کی گذر اوقات اگرچہ زراعت پر ہے۔ لیکن
ان کی بیشتر تعداد اپنی جنگ جو صفات کی بدولت عسکری ملازمت کو ترجیح دیتی ہے۔ اور
اس وقت بھی سپہ گری کو اپنا موروثی پیشہ سمجھے ہوئے ہے۔

اعوانوں نے گذشتہ دو بڑی جنگوں میں اپنی شجاعت اور بہادری کا سکہ بٹھا دیا ہے۔
پاکستانی فوج کے مجاہدوں میں ان کا بڑا حصہ ہے اور انہوں نے اپنے آپ کو فوج کے بڑے
سے بڑے عہدوں کا اہل ثابت کیا ہے۔ شجاعت۔ مردانگی اور پامردی اعوانوں کا زیور ہے
وہ صدیوں سے داد شجاعت دیتے چلے آرہے ہیں۔ اور اب بھی اپنے وطن عزیز اور اس
کے تحفظ و ناموس کی خاطر ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار رہیں۔ مغربی پاکستان میں
سب سے زیادہ اعوان ضلع کیمبل پور میں آباد ہیں۔ دوسرے نمبر پر ضلع ہزارہ ہے تیسرے

نمبر پر ضلع پشاور ہے۔ چوتھے نمبر پر ضلع شاہ پور ہے پانچویں نمبر پر ضلع جہلم چھٹے نمبر پر ضلع راولپنڈی اور ساتویں نمبر پر میانوالی ہے۔

ان اضلاع کے بعد مغربی پاکستان کے دوسرے اضلاع کا نمبر ہے۔ اعوان اب مختلف قبیلوں میں بٹ گئے ہیں۔ صرف ضلع سیالکوٹ میں اعوانوں کی ۴۲ گوتیں ہیں ضلع گجرات میں اعوانوں کی ۴۱ گوتیں ہیں۔ ان میں سے اکثر قبیلوں کا نام سردار قوم کے نام پر ہے۔ مثلاً اگر سردار کا نام ساغر تھا تو اس کی اولاد کے اعوان سغرال کہلاتے ہیں۔ صادق نامی سردار قوم کی اولاد صدقال ہے۔ لیکن بعض قبیلوں کے نام بعض روایات سے وابستہ ہیں۔

اعوان برادری میں سب زیادہ مہذب وہ آبادی ہے جس کی رہائش ضلع جہلم اور علاقہ ونہار میں ہے۔ ان لوگوں کی رفتار ترقی برادری کے دوسرے افراد کے لئے آئینہ ثابت ہونی چاہیئے ہماری برادری کا کثیر حصہ دیہات میں مقیم ہے اور اس کی بہت بڑی قوت قومی جھگڑوں۔ خانگی تنازعات اور گھریلو لڑائیوں میں صرف ہو رہی ہے۔ افسوس ہے حضرت میر قطب شاہ کی اولاد آج اپنے بھائیوں سے برسر پیکار ہے۔ جب حضرت میر قطب شاہ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر رہی تھی تو آپ نے اپنی اولاد سے فرمایا کہ "آپس میں جھگڑے نہ کرنا ورنہ تباہ ہو جاؤ گے" افسوس جس خطرہ سے بچانے کے لئے ہمارے جدّ امجد نے تادم وفات غیر معمولی کوشش کی آج ہم جان بوجھ کر انہی خطرات میں پڑنا فخر سمجھتے ہیں

ہماری خانہ جنگیوں نے ہمیں ترقی کی منازل طے کرنے سے روک رکھا ہے۔ ہم نے اپنے لئے وہ اسباب مہیا کر لئے ہیں جو کسی قوم کی تباہی و بربادی کے لئے کافی ہو سکتے ہیں کسی قوم کی تباہی کے لئے منجملہ اسباب میں سے ایک سبب تو یہ ہے کہ اس قوم کے افراد

میں بغض و عناد کی آتش بھڑک اٹھے وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے۔ اس کا نتیجہ روز بروز افلاس کا پیدا ہونا۔ ذلت و مکنت کی شدید ترین مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ قومی جاہ و جلال حرف غلط کی طرح مٹ جاتا ہے اور وہ ذلیل ترین مخلوق میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ وصف ہماری قوم میں نمایاں ترین صورت اختیار کر چکا ہے۔ دوسری علت ترک اتباع احکام قرآنی اور اتباع رسوم۔ اس پر جس قدر ہم التزام کے ساتھ کاربند ہیں۔ وہ کسی صاحبِ بصیرت سے مخفی نہیں۔ اسلام کے مقابلہ میں کسی دستور کو عمل میں لانا اپنی مذہبی، سیاسی، اقتصادی اور قومی تباہی کے مترادف ہے۔

اتباع رسوم میں جہاں دیگر نقصانات ہیں وہاں عقل جیسی نعمتِ عظمیٰ سے ہمیشہ کے لئے محرومی کے ہم معنی ہے۔ جس کی وجہ سے ہم یہ سزائیں بھگت رہے ہیں۔

تیسری وجہ قومی اخوت اور جمیعت اسلامی کا فقدان ہے جو جماعت اخوت اسلامی اور جمیعت قومی سے محروم ہوتی ہے وہ یقیناً دنیا اور آخرت کی تمام نعمتوں سے بے بہرہ ہو جاتی ہے اور افلاس۔ ذلت اور تنزل و ادبار اس کے گلے کے ہار بن جاتے ہیں۔ اس کی ترقی کے تمام ذرائع مسدود ہو جاتے ہیں۔ آج میرے اعوان بھائی ان اسباب کی روشنی میں اپنی اور اپنے قومی بھائیوں کی حالت ملاحظہ فرمائیں کہ وہ اس عذاب کے مستحق ہیں یا نہیں مقروض ہم میں ہیں مفلس و نادار وں کی ہم میں کمی نہیں جہالت کی ذلت میں ہم مبتلا ہیں غرض کہ آج ہم کسی زندہ قوم میں شمار ہونے کے قابل نہیں اگر ہمیں حقیقی معنوں میں زندہ رہنا ہے تو زندگی کا راز اتحاد میں مضمر ہے۔ اتحاد کے باب میں شاعر قوم حضرت کرم حیدری نے کیا خوب فرمایا ہے:۔

ذروں کے اتحاد سے پیدا ہو آفتاب — قطرے اگر ملیں تو بنے بحرِ بے حساب
کنکر اگر اٹھیں تو ہمالہ کو دیں جواب — ہوں چند دل ایک تو برپا ہو انقلاب
اللہ کو ہے خود بھی جو نفرت فساد سے — قوموں کی ہے نجات فقط اتحاد سے

شجرہ نسب قوم اعوان

پچھلے اوراق میں دلائل قاطع اور براہین ساطع سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اعوان قوم حضرت امام محمد ابن حنفیہؓ کی اولاد ہے۔ بعض مورخین نے غلط فہمی کا شکار رہ کر اعوان قوم کو حضرت عباس ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد لکھ دیا ہے۔ ان مورخین کی تحقیقات سے متاثر ہو کر اعوان برادری کے اکثر افراد نے اپنا سلسلۂ نسب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچایا ہے۔ اس لئے ان نسب ناموں کی تصحیح کے لئے ذیل میں قوم کا صحیح نسب نامہ درج کیا جاتا ہے۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ قوم کے نسب ناموں میں حضرت میر قطب شاہ سے بعد کے تمام اسماء صحیح لکھے ہوئے ہیں۔ صرف حضرت میر قطب شاہ سے پہلے کے اسماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس لئے ذیل میں صرف حضرت میر قطب شاہ سے پہلے کے اسماء لکھے جاتے ہیں۔ تمام بھائی اس شجرہ کی روشنی میں اپنے نسب نامے درست کر لیں۔

(شجرہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمایئے)

شجرہ طیبۃ اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء
حضرت میر قطب شاہ
بن
شاہ عطا اللہ غازیؒ
شاہ طاہر غازیؒ
شاہ طیب غازیؒ
شاہ محمد غازیؒ
شاہ عمر غازیؒ
شاہ ملک آصف غازیؒ
شاہ بطل غازیؒ
شاہ عبدالمنان غازیؒ
محمد حنفیہؓ
حضرت علی المرتضیٰ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ
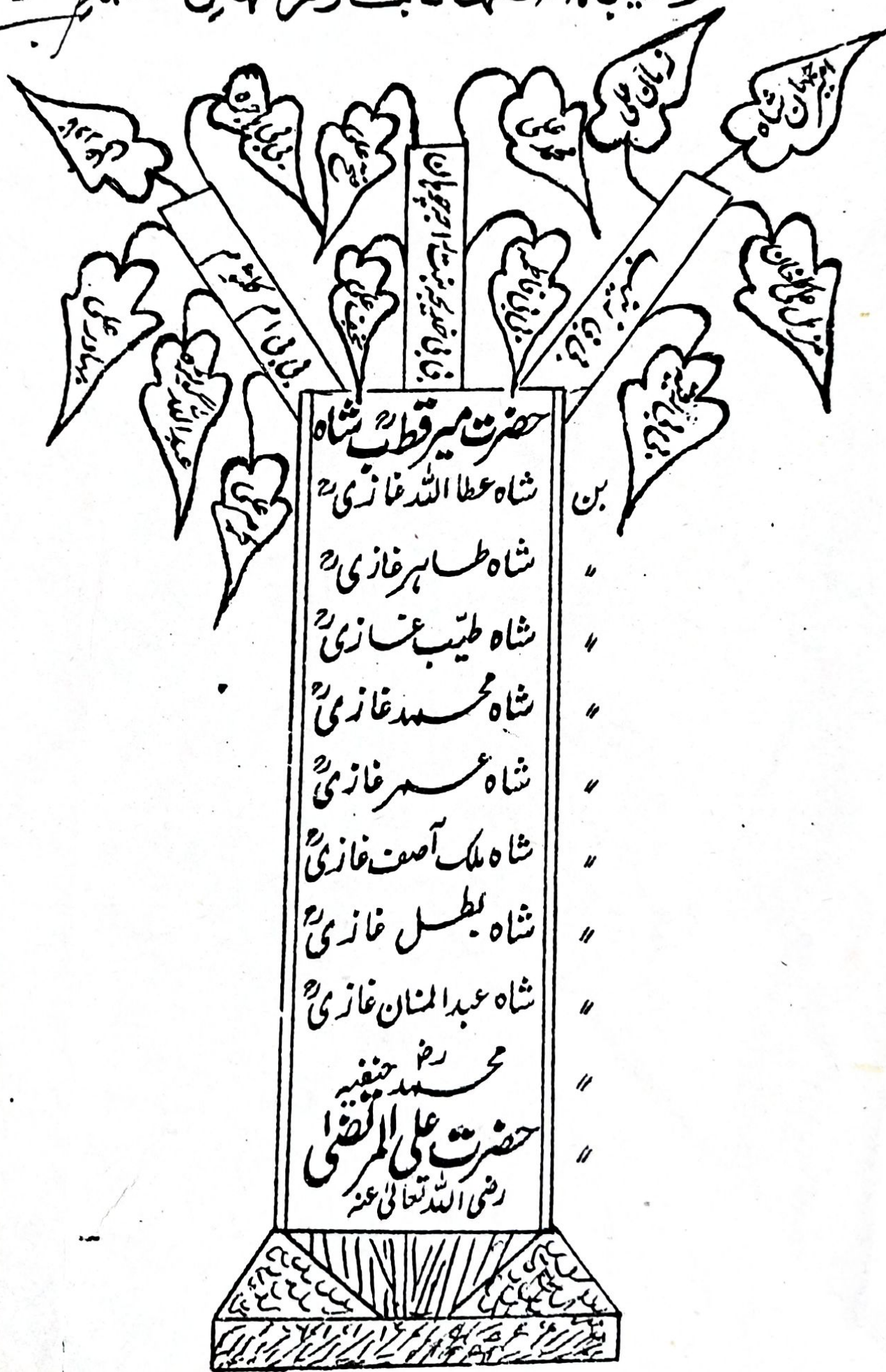
سادات کے لئے لمحۂ فکریہ

(از جناب سیّد نواب علی صاحب نقوی الامروہی)

آج مجھ ناچیز کی زبان سے رجز اعوانی سن کر شاید دنیا اور اہلِ دنیا کو تعجب ہوگا۔ اور ہونا بھی چاہئیے۔ اس وجہ سے کہ اغیار کے بنائے ہوئے پردوں نے ہماری عقلوں پر کچھ اس قسم کے پردے ڈال دیئے ہیں کہ آج اگر دنیا ایک سیّد کی زبان سے رجزِ اعوان سنے تو حیران ضرور ہو۔ حالانکہ ہمیشہ کا دستور ہے کہ اپنے بہادروں کے کارنامے اپنے لوگ ہی بیان کیا کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے اس فقرے سے یار لوگ اور بھی حیرت کی نظر مجھ پر ڈالیں گے اور میرے اس مضمون کو دیکھیں گے۔ لیکن میں بر سرِ میدان رجز اعوان کا اقرار کرتا ہوں اور کیوں نہ کروں جہاں مجھے یہ فخر ہے کہ میں شیرِ خدا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی اولاد سے اور جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کے بطن اطہر سے ہونے کی وجہ سے سیّد کہلانے کا مستحق ہوں ہوں۔ وہاں میرا ایک بھائی جو اعوان قوم سے تعلق رکھتا ہے اس کو بھی یہ شرف حاصل ہے۔ وہ بھی جناب فاتح خیبر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد سے ہے اگر ایک سیّد رجز اعوانی پڑھتا ہے۔ تو تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس کا فرض منصبی ہے۔ اور دنیا کو اس پر تعجب نہ کرنا چاہئیے سیدوں اور اعوانوں کو مل کر خدا کا شکر گزار ہونا چاہئیے کہ وہ اس اونچے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو دنیا میں رشد و ہدایت اور علم و عرفان کا سرچشمہ ہے۔ یہ وہ خاندان ہے۔ جس کو خدائے قدوس نے دنیا کے سب

خاندانوں پر افضل ٹھہرایا۔ اور جس نے دنیا پر حق و صداقت کا علم بلند کر کے رہتی دنیا تک ایک لازوال مثال قائم کر دی۔

مگر وائے بر حالِ ما۔ ہماری یہ حالت ہے کہ ہم سیّد اور اعوان ایک دوسرے سے اس قدر دور نظر آتے ہیں۔ کہ ہم میں ایک خاندان کے افراد ہونے کا شبہ تک نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر جس قدر بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ میں سیّد ہوں لیکن مجھ میں وہ عمل نظر نہیں آتا جو میرے جد بزرگوار امام حسین علیہ السلام نے کربلا کے میدان میں دکھایا۔

آپ نے جامِ شہادت نوش فرمایا اس حالت میں جبکہ سر مبارک سجدہ میں تھا۔ مجھے میرے اعوان بھائی معاف فرمائیں اگر میں کہوں کہ ان میں بھی وہ اوصاف نظر نہیں آتے جن سے ان کے اسلاف متصف تھے۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے خاندانی لباس میں ملبوس ہو کر دوسرے حضرات ہم سے بیش از بیش ترقی کر رہے ہیں۔ اور ہم سے آگے بڑھے جا رہے ہیں اور دنیا ہے کہ ان کے قدموں میں بچھی جا رہی ہے۔ دوسری طرف ہم ہیں آپس کی خانہ جنگیوں نے ہمیں کہیں کا نہ رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج زمانہ حقیقی اولاد علی رضی اللہ عنہ کی وہ قدر و منزلت نہیں کرتا جس کی یہ مستحق ہے یہ سب کچھ صرف اس لئے ہوا کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کے نقشِ قدم پر چلنا چھوڑ دیا ہے۔

کیا ہم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم اس ذلت کی زندگی پر ہمیشہ قانع ہیں؟ اس سوال پر سیّدوں اور اعوانوں کو ٹھنڈے دل سے غور کرنا ہوگا۔

(منقول از رسالہ "الاعوان" لاہور بابت مارچ سنہ ۱۹۴۸ء)

منظومات

قوم اعوان کی اِصلاح و فلاح سے متعلق شعرائے قوم

کی چند

ولولہ انگیز نظمیں

ملک امیر محمد خان نواب آف کالا باغ (میانوالی):

نواب آف کالا باغ ملک امیر محمد خان اعوان سابق گورنر مغربی پاکستان و چیف آف اعوانان پاکستان گزرے ہیں آپ کے چار فرزند ملک اسد خان، ملک مظفر خان، ملک اللہ یار خان و ملک اعظم خان ہوئے۔ملک اسد خان کے دو بیٹے ملک فواد خان وملک عماد خان MNA قابل ذکر ہیں۔کالا باغ ضلع میانوالی کی تحصیل عیسیٰ خیل کا علاقہ ہے۔سرزمین کالا باغ اعوان قبیلے کا مرکز ہے جو باغات کی کثرت کی وجہ سے کالا نظر آتا ہے۔آپ کی شاخ ملک صادق خان (صدیق) کے نام کی وجہ سے صدقال کہلاتی ہے۔ملک بندے علی نے کالا باغ آباد کیا۔آپ کا شجرہ نسب یوں ہے:۔نواب ملک امیر محمد خان بن ملک عطا محمد خان بن ملک یار محمد خان بن ملک مظفر خان بن ملک اللہ یار خان بن ملک اعظم خان بن ملک سرخرو خان بن ملک عزت خان بن ملک اللہ یار خان بن ملک فتح خان بن ملک اللہ داد خان بن ملک نواب خان بن ملک محمد خان بن ملک اللہ یار خان بن ملک بدرالدین خان بن ملک شہاب الدین خان بن ملک شہیاں خان بن ملک حیدر خان بن ملک موکل خان بن ملک سرخرو خان بن ملک بلند خان بن ملک بندے علی (بانی کالا باغ) بن ملک اولیا (طور) بن کرم علی (خلیل رکلی) بن مزمل علی کلگان بن قطب حیدر شاہ غازی علوی از اولاد حضرت محمد الاکبر المعروف محمد حنفیہؒ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

ملک شیر محمد خان اعوان آف کالا باغ مولف تاریخ الاعوان و تذکرۃ الاعوان:

آپ کا تعلق نواب آف کالا باغ کی فیملی سے تھا۔ملک امیر محمد خان نواب آف کالا باغ آپ کے بہنوئی تھے۔ملک اللہ یار خان بن بن ملک اعظم خان ،نواب ملک امیر محمد خان اور ملک شیر محمد خان کے جداعلیٰ تھے ملک اللہ یار خان کی چوتھی پشت میں ملک شیر محمد خان بن ملک پیر محمد خان بن ملک امیر محمد خان بن ملک رتباز (ربناز) خان تھے۔آپ نیک سیرت ، اعلیٰ تعلیم یافتہ وخدمت خلق کے جذبہ سے سرشار تھے آپ پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی کالا باغ تھے۔جب مولوی نورالدین کفری نے باب الاعوان اورزادالاعوان لکھیں تو آپ نے اپنے قدیم خاندانی شجرہ نسب جو سینہ بہ سینہ صدیوں سے محمد الاکبر المعروف محمد حنفیہؒ بن حضرت علیؓ سے تھے کے مطابق تاریخ الاعوان 1956 میں مرتب کرتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ اعوان حضرت عباس علمدارؒ کی اولاد سے نہیں ہیں۔تاریخ الاعوان وتذکرۃ الاعوان اہم ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں آپ اعوان قبیلہ کے چشم و چراغ تھے آپ کا انتقال 1986 میں ہوا۔(بحوالہ تاریخ علوی اعوان ایڈیشن 2009 ص 631، تحقیق الانساب جلد اوّل ص 100 جلد دوئم ص 198، مختصر تاریخ علوی اعوان معہ ڈائریکٹری ص 162 ،تاریخ نیازی قبائل (طبع ہفتم صفحہ 1176)

توجہ فرمائیے

وہ تمام محققین، مصنفین و مولفین دادِ تحسین کے مستحق ہیں جنہوں نے صدیوں پرانی قدیم روایات کہ اعوان حضرت محمد الاکبر المعروف محمد حنفیہؒ (امام حنیف) کی اولاد سے ہیں اور سلطان محمود غزنوی کے ساتھ جہاد ہند میں شامل رہے ہیں کو زندہ رکھنے کے لیے قلم اٹھایا۔ اعوانوں کی تاریخ کی سب سے پہلی کتاب مولوی حیدر علی لدھیانوی نے 1896ء میں ''تاریخ علوی'' تالیف فرمائی جس کے مطابق اعوان حضرت محمد حنفیہ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد سے ہیں اور سلطان محمود غزنوی کے ساتھ جہاد ہند میں شامل رہے۔ اس کے بعد مولوی حیدر علی لدھیانوی نے تاریخ حیدری 1911ء میں تالیف فرمائی۔ ملک شیر محمد خان اعوان میونسپل کمیٹی کالا باغ کے پریذیڈنٹ تھے اور نواب آف کالا باغ ملک امیر محمد خان اعوان سابق گورنر مغربی پاکستان آپ کے بہنوئی تھے۔ ملک شیر محمد خان اعوان نے 1956ء میں ''تاریخ الاعوان'' تالیف کی اور 1977ء میں تذکرۃ الاعوان تالیف کی۔ بابا ہاشم سلیم پور ملکے سیالکوٹ نے 1390ھ میں حقیقت الاعوان فی آل حبیب الرحمٰن تالیف فرمائی۔ خواص خان گولڑہ اعوان ساکن ہیڑاں مانسہرہ نے 1966ء میں تحقیق الاعوان تصنیف کی۔ محبت حسین اعوان نے خواص خان گولڑہ اعوان کی خدمات پر 1975 میں ان کی کتاب کے نام سے ادارہ تحقیق الاعوان پاکستان قائم کیا اور درجنوں کتب تصانیف کیں 1999ء میں آپ نے اس سے قبل لکھی جانے والی تمام کتب پر تبصرہ کرتے ہوئے جامع کتاب ''تاریخ علوی اعوان'' تصنیف فرمائی۔ 2000ء میں صوبیدار رفیق علوی اعوان میانی چکوال جو گر جارو ڈ راولپنڈی میں سکونت پذیر تھے نے بھی حقیقت الاعوان سو سوال سو جواب لکھی۔ ملک جہاندادا اعوان ساکن نالیاں پلندری نے بھی 2000ء میں نسب الصالحین تالیف کی۔

ان تمام بزرگوں نے اعوان قبیلہ کی تاریخ لکھنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا انہوں نے قدیم روایات کے عین مطابق کتب تصانیف کیں۔ جناب خواص خان گولڑہ اعوان نے تحقیق الاعوان کے صفحہ 156 پر شجرہ نمبر 31 کے تحت اعوانوں کا یہ شجرہ یوں لکھا: ''سعید الدین سالار مسعود غازیؒ بن شاہو غازیؒ بن عطا اللہ غازیؒ بن طاہر غازیؒ بن طیب غازیؒ بن شاہ محمد غازیؒ بن شاہ غازیؒ بن آصف غازی بن عون عرف قطب غازی بابا بن علی بن محمد الاکبرؒ بن حضرت علیؓ بنو علویہ (شجرہ از کتاب محبوب شاہ داتہ والا)۔ اور جناب محبت حسین اعوان نے بھی یہی شجرہ تاریخ علوی اعوان ایڈیشن 1999ء اور ایڈیشن 2009ء کے صفحہ 360 پر شجرہ نمبر 28 کے طور پر درج کیا ہے۔ مولوی نور الدین سلیمانی پٹھان نے زاد الاعوان اور باب الاعوان میں اعوانوں کا شجرہ نسب حضرت محمد حنفیہؒ کے بجائے حضرت غازی عباس علمدارؒ سے جوڑ دیا اور جو اہم اعتراض انہوں نے کیا کہ سر سلسلۃ العلویہ 341ھ کے مطابق علی بن محمد حنفیہ بن حضرت علیؓ لاولد تھے اور ان سے شجرہ نسب ملانے والے کذاب ہیں نیز مولوی صاحب نے یہ بھی اعتراض کیا کہ عبدالمنان حضرت محمد حنفیہؒ کا بیٹا نہ تھا۔ نیز مولوی نور الدین صاحب نے اعوانوں کی جانب سے پیش کیے گئے تمام شجرہ ہائے نسب بھی غلط قرار دیئے اور تین فرضی کتب میزان قطبی عربی، میزان ہاشمی عربی اور خلاصۃ الانساب عربی کے حوالہ سے نیا شجرہ نسب متعارف کروایا۔ یاد رہے کہ ان کتب کا کوئی وجود نہیں یہ آج تک کوئی بھی فرد پیش نہ کر سکا جس سے ان کے موقف کی تائید ہو سکے۔ مولوی نور الدین سلیمانی کے اعتراضات کے جوابات قدیم عربی و فارسی کتب سے دستیاب ہو چکے ہیں۔

یہ کہ سر سلسلۃ العلویہ سے 100 سال سے زائد قدیم کتاب نسب قریش عربی (156-234ھ) کے صفحہ 77 پر عون بن علی بن محمد حنفیہ بن حضرت علیؓ کی اولاد لکھی ہے اور عون کے نام کی نسبت سے ''بنی عون'' بھی درج ہے۔ یہ کہ المعقبون عربی 277ھ، مقالات بالفرق 301ھ میں بھی علی بن محمد الاکبر المعروف محمد حنفیہؒ کی اولاد درج ہے۔ سر سلسلۃ العلویہ کے بعد بھی لکھی جانے والی بے شمار کتب میں علی بن محمد حنفیہؒ کو صاحب اولاد لکھا گیا ہے جن میں جمہرۃ الانساب العرب عربی 384ھ، تہذیب الانساب عربی 449ھ کے صفحہ 273و274، منتقلۃ الطالبیہ 471ھ کے 303، 332، 352و215، پر نہ صرف عون بن علی بن محمد حنفیہؒ کی اولاد درج ہے بلکہ ان کی اولاد کا ہند آنا بھی درج ہے۔ ان کے علاوہ المجدی 500ھ، الفخری 600ھ، المنتخب فی نسب قریش وخیار العرب عربی 656ھ، وبحر الانساب عربی 900 وغیرہ کے علاوہ عمدۃ الطالب فی نسب آل ابی طالب عربی 848ھ کے صفحہ 147-145 پر علی بن محمد حنفیہؒ کی نہ صرف اولاد درج ہے بلکہ یہ بھی وضاحت کی گئی ہے کہ سر سلسلۃ العلویہ کے مولف ابو نصر بخاری نے جس علی کو درج یعنی لاولد لکھا تھا وہ علی اصغر تھے۔ ان کتب کے علاوہ منبع الانساب فارسی 830ہجری میں علی کا پورا نام ''علی عبدالمنان'' درج ہے۔ اور منبع الانساب میں علی عبدالمنان کے فرزند عون عرف قطب غازی لکھے ہیں اور سالار مسعود غازی کو سلطان محمود غزنوی کا بھانجا لکھا ہے اور مکمل شجرہ نسب یوں درج ہے ''سالار مسعود غازی بن عطا اللہ غازی بن طاہر غازی بن طیب غازی بن شاہ محمد غازی بن شاہ غازی بن آصف غازی بن عون عرف قطب غازی بن علی عبدالمنان غازی بن حضرت ابوالقاسم امام حنیفؒ بن حضرت علیؓ''۔

منبع الانساب فارسی 830ھ تالیف سید معین الحق جھونسوی میں درج شجرہ نسب جناب خواص خان گولڑہ اعوان اور جناب محبت حسین اعوان نے قدیم روایات کے مطابق کتب میں درج کیا تھا۔ اور اس شجرہ نسب کی تصدیق مندرجہ بالا انساب کی عربی اور فارسی کتب سے بھی ہوتی ہے جس سے یہ تصدیق ہوا کہ اعوانوں کی حضرت محمد حنفیہ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد سے ہونا اور سلطان محمود غزنوی کے ساتھ جہاد والی روایات 100 فیصد درست ہیں۔ اور علی بن محمد حنفیہ کی نہ صرف اولاد تھی بلکہ انہی کا نام علی عبدالمنان تھا اسطرح مولوی نور الدین سلیمانی مرحوم کے اعتراضات بھی ساقط ہو چکے۔

شجرہ نسب
قطب شاہی علوی اعوان (بنی عون)
حضرت علی کرم اللہ وجہہ
مزار سالار قطب حیدر علوی مانک پور انڈیا
مزار سالار مسعود غازی بہرائچ انڈیا
مزار حضرت بابا سجاول مانسہرہ
مزار حضرت علی نجف اشرف
مزار عون عرف قطب غازی تبریز
مزار سالار ساہو غازی ستر کھ انڈیا
حضرت امام حسنؓ حضرت امام حسینؓ حضرت محمد حنفیہؒ حضرت عباس علمدارؓ حضرت عمر اطرافؒ
ابو ہاشم عبداللہ علی عبدالمنان موسیٰ عیسیٰ جعفر
عون عرف قطب غازی لقب بطل غازی عبیداللہ حسن عبداللہ محمد الاکبر محمد الاصغر
محمد آصف غازی ← شاہ علی غازی ← حسین ← علی
الحسین القاسم منصور حمزہ عبدالمالک سکینہ رسیتہ
شاہ احمد غازی حسن موسیٰ عیسیٰ علی
قطب شاہی اعوانوں کی مختصر تاریخ اور قدیم ماخذ
تحقیق و ترتیب:۔ محمد کریم اعوان ساکن اعوان منزل دبن سنگولہ حال مظفر آباد موبائل 0312-9206639 و ملک مشتاق الہی اعوان ساکن مردوآل وادی سون سکیسر حال کراچی موبائل 0302-2144561
حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قبیلہ بنی ہاشم ہے۔ جو اولاد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بطن سے ہوئی وہ سادات بنی فاطمیہ کہلائی اور جو اولاد دیگر ازواج سے ہوئی وہ بنی علویہ کہلائی۔ حضرت امام حسنؓ و حضرت امام حسینؓ کی اولاد برصغیر پاک و ہند میں سیّد کہلاتی ہے۔ دوسری صدی ہجری تک عون عرف قطب غازی بن علی بن حضرت محمد حنفیہؒ بن حضرت علیؓ کی اولاد بنی عون اور علوی کہلاتی تھی۔ عون بن علی، یحییٰ بن زید کے (ہمراہ جو رشتہ میں ان) بھتیجے اور بھانجے تھے کے ساتھ 125 ہجری میں کوفہ سے ہرات، خراسان و غزنی کی جانب ہجرت کر گئے تھے۔ یحییٰ بن زیدؒ کے ہمراہ 70 آدمی تھے انہوں نے بنی امیہ کے دس ہزار آدمیوں کو شکست فاش دی۔ عون بن علی اور زید بن علی کے مزارات تبریز کی پہاڑی پر ایک ساتھ ہیں۔ عون بن علی بن محمد حنفیہؒ بن حضرت علیؓ کی اولاد عرب میں علیؓ کی اولاد کی نسبت سے "علوی" اور عون کی وجہ سے "بنی عون" کہلائی اور برصغیر پاک و ہند میں بنی عون سے اعوان اور عون کے عرف قطب غازی کی شہرت کی وجہ سے قطب شاہی کہلائی۔ عون عرف قطب غازی (جدامجد قطب شاہی اعوان) کے سات پڑپوتوں میں سے پانچ عیسیٰ بن علی، حسین بن علی، حسن بن علی، محمد بن علی، احمد بن علی ابنان محمد اصغل (محمد اصف غازی) کی اولاد ہند میں آنا قدیم کتب انساب سے تصدیق ہوتا ہے اور گمان غالب ہے کہ علی بن علی و موسیٰ بن علی بھی اپنے دیگر بھائیوں کے ہمراہ جہاد ہند میں شریک ہوئے ہوں۔ جس طرح بنی عباس سے عباسی اور بنی ہاشم سے ہاشمی کہلاتے ہیں اسی طرح بنی عون بھی بنی عون کے بجائے اعوان مشہور ہوئے۔ واضح ہو کہ عون کی جمع اعوان ہے۔ "کتاب نسب قریش عربی (236-156 ہجری) کے ص 77 پر اور کتاب المنتخب فی نسب قریش و خیار العرب عربی (656ھ) کے صفحہ 26 پر درج ہے" وولد عون بن علی بن محمدبن علی بن ابی طالب :محمداً؛ ورقیه؛ وعلیة بنی عون" یعنی عون کی اولاد "بنی عون" ہے۔ سالار مسعود غازی قطب شاہی علوی اعوان کا شجرہ نسب یوں درج ہے" سالار مسعود غازی بن سالار ساہو غازی [برادر سالار قطب حیدر غازی قطب شاہ ثانی و سالار سیف الدین غازی] بن عطاللہ غازی بن طاہر غازی بن طیب غازی بن شاہ محمد غازی بن شاہ علی غازی بن محمد آصف غازی [اصغل] بن عون عرف قطب غازی بن علی عبدالمنان بن حضرت محمد حنفیہؒ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ بن ابی طالب"۔
سلطنت غزنویہ کے دور کی کتاب تاریخ بیہقی (385-470ھ)، تہذیب الانساب عربی 449 ہجری، منتقلة الطالبیه عربی 471ھ، لباب الانساب عربی 565ھ و منبع الانساب فارسی 830ھ کے مطابق عون بن علی ابن محمد حنفیہ کی اولاد کا ہند آنا، قطب شاہی کہلانا اور سلطنت غزنویہ سے منسلک ہونا درج ہے۔ تاریخ بیہقی جلد اول ص 57 پر درج عبارت "قاضی و رئیس و خطیب و نقیب علویان و سالار علویان و سالار غازیان" کا تذکرہ موجود ہے۔ جس کے مطابق سلطنت غزنویہ کے ساتھ قاضی القضاء، رئیس، خطیب، نقیب و سالار سب کے سب علوی تھے۔ منبع الانساب فارسی کے مطابق عون عرف قطب غازی بن علی عبدالمنان بن محمد حنفیہ کی اولاد سے سالار مسعود غازی، سالار ساہو غازی کے بیٹے اور سلطان محمود غزنوی کے بھانجے تھے اور سلطان کی افواج میں بغرض جہاد ہند شمولیت اختیار کرتے ہوئے بحر پور مدد کی جس کا ذکر سفرنامہ ابن بطوطہ، تاریخ فیروز شاہی تالیف سید ضیاء الدین برنی، تاریخ فرشتہ، مرات مسعودی، مرات الاسرار، اخبار الاخیار، خزینتہ الاصفیا وغیرہ میں بھی درج ہے۔ مندرجہ بالا کتب میں درج اصل عبارت کی عکسی نقول نیچے دی گئی ہیں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ علاوہ ازیں تاریخ حیدری تالیف 1911ء، تحقیق الاعوان 1968، تاریخ علوی اعوان 1999ء، نسب الصالحین 2000ء، تحقیق الانساب جلد اول 2007ء، تاریخ قطب شاہی علوی اعوان 2015ء، تاریخ خلاصۃ الانساب 2017ء، اعوان شخصیات ہزارہ 2019ء، حضرت بابا سجاول علوی قادری تاریخ کے آئینے میں 2019ء کے علاوہ درجنوں کتب اور مولوی ملنگ علی گفانوالہ چکوال شجرہ نویس علوی اعوان قبیلہ کے مطابق بھی اعوان حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فرزند محمد الاکبر المعروف محمد حنفیہؒ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد ہیں اور مندرجہ بالا شجرہ نسب صدیوں سے ان کے ریکارڈ میں موجود ہے۔ مندرجہ بالا کتب ادارہ تحقیق الاعوان پاکستان کی لائبریری اور ویب سائٹ www.alveeawan.com سے دستیاب ہیں۔
شاہ محمد غازی
طیب غازی
طاہر غازی
عطاء اللہ غازی
سالار ساہو غازی ← سالار مسعود غازیؒ سالار قطب حیدر غازی (قطب شاہ ثانی) سالار سیف الدین غازی
مزمل علی کلگان جہان شاہ زمان علی کھوکھر محمد علی بہادر علی نجف علی عبداللہ گولڑہ محمد شاہ کنڈان فتح علی نادر علی کرم علی
منبع الانساب فارسی سید معین الحق جھنجوسی 830ھ
منتقلة الطالبیه عربی ابی اسماعیل 471ھ
لباب الانساب عربی ابی القاسم حسن 565ھ
کتاب نسب قریش عربی (234-156ھ)
کتاب نسب قریش
ذخائر العرب 11
لأبي عبد الله المصعب بن عبد الله بن المصعب الزبيري ١٥٦ — ٢٣٦
ولد محمد بن علي بن أبي طالب
تہذیب الانساب عربی ابی جعفر 449ھ
بحوالہ: کتاب نسب قریش عربی لابی عبداللہ المصعب الزبیری (234-156)، تہذیب الانساب عربی ابی الحسن بن ابی جعفر 449ھ، منتقلة الطالبیه عربی ابی اسماعیل 471ھ، لباب الانساب عربی ابی القاسم حسن 565ھ، منبع الانساب فارسی سید معین الحق جھنجوسی 830ھ، مرات مسعودی فارسی، تاریخ حیدری، تاریخ علوی اعوان، تاریخ قطب شاہی علوی اعوان

حضرت سالار مسعود غازیؒ — حضرت سالار ساہو غازیؒ — حضرت علی کرم اللہ وجہہ — حضرت سالار قطب حیدر شاہ غازی علویؒ — حضرت بابا سجاول علوی قادریؒ — حضرت سلطان باھوؒ

شجرہ نسب علوی، بنی عون، اعوان، قطب شاہی اعوان

تحقیق: محمد کریم اعوان وائس چیئر مین ادارہ تحقیق الاعوان پاکستان 0312-9206639

تصدیق شدہ مستند شجرہ نسب علوی اعوان (بنی عون)

(1)	(2)	(3)	(4)	(5)	(6)	(7)	(8)
کتاب نسب قریش عربی (156ھ-236ھ) لابی عبداللہ المصعب صفحہ 77	کتاب المعقبین عربی 214ھ-277ھ) ابی الحسن یحیٰ ص 101	جمہرۃ الانساب العرب عربی (384ھ) لابی محمد علی بن احمد صفحہ 59	تہذیب الانساب ونہایۃ الانساب عربی 449ھ ابی الحسن محمد ص 74-273	منتقلۃ الطالبیہ عربی 471 ھ- ابی اسماعیل ابراہیم طباطبا ص 303,352	المنتخب فی نسب قریش و خیار العرب عربی (656ھ) ابی عبداللہ بن عیسیٰ صفحہ 26	منبع الانساب فارسی (830ھ) سید معین الحق جھونسوی ص (103)363	بحر الانساب عربی (900 ہجری) تالیف السید محمد بن احمد صفحہ 245
ابی طالب	ابی طالب	ابی طالب	ابی طالب	ابی طالب	ابی طالب	ابی طالب	ابی طالب
علی	علی	علی	علی	علی	علی	علی المرتضیٰ	علی
محمد الاکبر[محمد حنفیہ]	محمد بن الحنفیہ	محمد بن الحنفیہ	محمد [حنفیہ]	محمد [حنفیہ]	محمد الاکبر[محمد حنفیہ]	ابوالقاسم محمد حنیف	محمد بن الحنیفہ
علی	علی	علی	علی	علی	علی	علی عبدالمنان	علی برغوث
عون	عون	عون	عون	عون	عون	عون عرف قطب غازی	عون
محمد[اسحل]	محمد		محمد اسحل	محمد اسحل	محمد [اسحل]	محمد آصف غازی	محمد
''بنی عون''			علی	علی	قبیلہ ''بنی عون''	شاہ علی غازی	علی
			محمد[غازی]، احمد[غازی]	محمد، احمد، الحسین، عیسیٰ		شاہ محمد غازی	محمد، احمد، الحسین، عیسیٰ، الحسن، علی
						طیب غازی	
						طاہر غازی	
						عطاءاللہ غازی	

مندرجہ بالا شجرہ نسب کی وضاحت اور حوالہ جاتی کتب کے لیے رابطہ فرمائیں محمد کریم اعوان 0312-9206639

(9)	(10)	(11)	(12)	(13)	(14)	(15)	(16)
مرات مسعودی فارسی (1037ھ) عبدالرحمٰن چشتی ص 7	تاریخ حیدری اردو (1909ء) مولوی حیدر علی اعوان ص 7	بحر الجمان اردو (1332ھ) سید محبوب شاہ داتا صفحہ 135	تحقیق الاعوان (1966ء) ایم خواص خان گولڑہ اعوان صفحہ 148و156	تاریخ علوی اعوان (1999ء) محبت حسین اعوان صفحہ 347و370	علامہ یوسف جبریلؒ تعارف علوی قبیلہ ص 10 وانگلش بک ص 637	حقیقت الاعوان (2002ء) صوبیدار (ر) محمد رفیق علوی صفحہ 32و52	تاریخ سادات وعلوی اعوان مشائخ (2001ء) زین العابدین علوی ص 14و33
ابی طالب	ابی طالب	ابی طالب	ابی طالب	ابی طالب	ابی طالب	ابی طالب	ابی طالب
علی	علی	علی	علی	حضرت علیؓ	علی	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	علی
محمد حنفیہؒ	محمد[محمد حنفیہ]	ابوالقاسم محمد الاکبر	محمد الحنفیہ	محمد الاکبر[محمد حنفیہ]	محمد الحنفیہ	ابوالقاسم محمد حنفیہ	محمد بن الحنیفہ
[علی]عبدالمنان	عبدالمنان غازی	علی	علی عبدالمنان	علی عبدالمنان	عبدالمنان	عبدالمنان غازی	علی
بطل غازی	بطل غازی	عون عرف قطب غازی بابا	عون عرف قطب غازی بابا	عون عرف قطب غازی	بطل غازی	بطل غازی	عبدالمنان عون سکندر غازی
محمد آصف[اسحل]	محمد محمد آصف[اسحل]	محمد آصف غازی	محمد آصف غازی	آصف غازی	آصف غازی	محمد آصف غازی	شاہ بطل غازی
عمر[علی] غازی	عمر[علی] غازی	شاہ غازی	شاہ عمر[علی]	شاہ غازی	عمر غازی	عمر غازی	شاہ عمر غازی
محمد غازی	محمد غازی	شاہ محمد غازی	شاہ محمد غازی	شاہ محمد غازی	محمد غازی	محمد غازی	شاہ محمد غازی
طیب غازی	طیب غازی	طیب غازی	شاہ طیب غازی	طیب غازی	طیب غازی	طیب غازی	شاہ طیب غازی
طاہر غازی	طاہر غازی	طاہر غازی	شاہ طاہر غازی	طاہر غازی	طاہر غازی	طاہر غازی	شاہ طاہر غازی
عطاءاللہ غازی	میر عطاءاللہ غازی	عطاءاللہ غازی	عطاءاللہ غاز	عطاءاللہ غازی	عطاءاللہ غازی	عطاءاللہ شاہ غازی	عطاءاللہ شاہ غازی
سالار ساہو غازی (داؤد)	میر قطب حیدر	سالار ساہو غازی	میر قطب حیدر (قطب شاہ)	قطب حیدر شاہ	قطب حیدر شاہ غازی	سالار میر قطب شاہ غازی	حضرت قطب شاہ غازی
سالار مسعود غازی		سالار مسعود غازی	11فرزندان	11فرزندان		9فرزندان	مزمل علی کلغان

(17)	(18)	(19)	(20)	(21)	(22)	(23)	(24)
تاریخ اعوان (2009ء) محمد سرور خان اعوان صفحہ 163، 241و247 شجرہ 27	تاریخ قطب شاہی علوی اعوان (2015) محمد کریم اعوان ومشتاق الٰہی اعوان ص 6	سوانحیات ملک قطب حیدر شاہ (2014) حافظ ریاض سیالوی ص 26	متاعِ رفتہ (تواریخ ہزارہ۔ ایک نظر میں) پروفیسر بشیر احمد سوز	تاریخ نیازی قبائل (2014) اقبال خان نیازی ص 1175	رحیل کارواں (2019) آمین یوسف زئی صفحہ 434	اعوان شخصیات ہزارہ (2019) محمد عظیم ناشاد صفحہ 4	حضرت بابا سجاول علوی قادریؒ تاریخ کے آئینے میں (2019) محمد کریم اعوان ص 9
ابی طالب	ابی طالب	ابی طالب	ابی طالب	ابی طالب	ابی طالب	ابی طالب	ابی طالب
علی	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	حضرت علیؓ	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	حضرت علی کرم اللہ وجہہ
محمد حنفیہؒ	محمد الاکبر[محمد حنفیہ]	حضرت محمد بن حنفیہؒ	محمد الاکبر (محمد حنفیہؒ)	محمد الاکبر[محمد حنفیہ]	حضرت محمد حنفیہؒ	حضرت محمد حنفیہؒ	حضرت محمد حنفیہؒ
علی	علی عبدالمنان	غازی عبدالمنان	علی عبدالمنان	علی	غازی عبدالمنان	علی عبدالمنان	علی عبدالمنان
عون عرف قطب غازی بابا	عون قطب غازی	غازی بطلؒ	عون عرف قطب غازی	بطل (بطال)	عون قطب غازی	عون عرف قطب غازی لقب بطل	عون عرف قطب غازی لقب بطل
محمد آصف غازی	محمد آصف (اسحل) غازی	ملک آصف	محمد آصف غازی	محمد آصف غازی	محمد آصف غازی (محمد اسحل)	محمد آصف غازی	محمد آصف غازی
سید شاہ غازی	شاہ غازی	غازی عمرؒ	شاہ علی غازی	عمر غازی	شاہ علی غازی	شاہ علی غازی	شاہ علی غازی
محمد غازی	شاہ محمد غازی	غازی محمدؒ	شاہ محمد غازی	شاہ محمد غازی	شاہ محمد غازی	محمد غازی	شاہ محمد غازی
طیب غازی	طیب غازی	غازی طیبؒ	طیب غازی	طیب غازی	طیب غازی	طیب غازی	شاہ طیب غازی
طاہر غازی	طاہر غازی	غازی طاہرؒ	طاہر غازی	طاہر غازی	طاہر غازی	طاہر غازی	شاہ طاہر غازی
عطاءاللہ غازی	عطاءاللہ غازی	غازی نوراللہ (عطاءاللہ)	عطاءاللہ غازی	ابوعلی عرف عطاءاللہ غازی	عطاءاللہ غازی	عطاءاللہ شاہ غازی	عطاءاللہ شاہ غازی
شاہو غازی ومیر قطب حیدر	سالار میر قطب حیدر	حضرت ملک قطب شاہؒ	سالار قطب حیدر شاہ غازی	میر قطب حیدر شاہ علوی اعوان	قطب حیدر شاہ غازی	سالار میر قطب شاہ غازی	حضرت قطب شاہ غازی
ص 163، 9 بیٹے	11فرزندان	گیارہ فرزندان		11فرزندان	گیارہ فرزندان	9فرزندان	11فرزند

ابی طالب
↓
حضرت علی کرم اللہ وجہہ
↓
حضرت محمد الاکبر المعروف محمد حنفیہؒ
↓
علی عبدالمنان
↓
عون عرف قطب غازی لقب بطل غازی (قطب شاہ بابا)
↓
محمد آصف غازی
↓
شاہ علی غازی
↓
شاہ محمد غازی
↓
طیب غازی
↓
طاہر غازی
↓
عطاءاللہ غازی
↓
قطب حیدر شاہ غازی علوی (قطب شاہ ثانی)
↓

عبداللہ گولڑہ — محمد شاہ کنڈان — مزمل علی کلگان — محمد علی — بہادر علی — نجف علی — زمان علی کھوکھر — جہان شاہ — فتح علی — نادر علی — کرم علی

نوٹ: قطب شاہی علوی اعوان قبیلہ کے شجرہ نسب کی تصدیق کے لیے یہاں چند کتب کا حوالہ دیا گیا ہے جب کہ ان کے علاوہ سینکڑوں کتب ادارہ تحقیق الاعوان پاکستان کی لائبریری میں موجود ہیں جن کی عکسی نقول عند الطلب مہیا کی جا سکتی ہیں